معارف محمدیه

سلسلہ تصوف نمبر ۱۳۱

اُردو ترجمہ کتاب

معارفِ لدُنیہ

از تصنیف لطیف

غوثِ صمدانی قطبِ ربانی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح

مترجمہ

جناب حضرت قاضی محمد عالم الدین صاحب نقشبندی مجددی سلمہ ربہ

مترجم مکتوبات شریف حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

جسے

اللہ والے کی قومی دکان

مالک چنن الدین خلف الرشید ملک فضل الدین ککے زئی نقشبندی مجددی تاجر کتب

کوچہ ککے زئیاں - بازار کشمیری لاہور

نے بصرفِ زرِ کثیر بامحاورہ اُردو ترجمہ کرا کر نہایت صحت کے ساتھ چھپوائی

Rs 4-00

سلسلہ تصوف نمبر (۱۳۱)

اردو ترجمہ کتاب

معارفِ لدنیہ

از

تصنیف لطیف غوث صمدانی قطب ربانی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی

رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

جناب حضرت قاضی محمد عالم الدین صاحب نقشبندی مجددی سلمہ ربہ

مترجم مکتوبات شریف حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

جسے

اللہ والے کی قومی دکان (رجسٹرڈ)

مالک ملک چنن الدین تاجر کتب قومی بازار کشمیری لاہور

نے

بصرفِ زرِ کثیر فیض جویانِ دربارِ مجددیہ کی خاطر بامحاورہ اردو ترجمہ کرا کے شائع کیا

قیمت [illegible]

بار دوم

اشتہار

عربی سے اردو ترجمہ کتاب اربعین فی اصول الدین

تصنیفِ لطیف حجۃ الاسلام ابو حامد محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ یہ کتاب جو بلحاظ اپنے اعلیٰ مضامین کے نہایت نادر الوجود اور بے مثل ہے۔ عربی سے با محاورہ اردو زبان میں بصرفِ زرکثیر ترجمہ ہو کر طبع ہو گئی ہے۔ اس کتاب میں امام رحمۃ اللہ علیہ نے انسان کو حصول اللہ کے طریق بتائے ہیں۔ اور حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دیباچہ میں اس کی مفصل تشریح کر دی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ یہ کتاب ان لوگوں کی خاطر لکھی گئی ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی جستجو ہے۔ اور جو شخص اس کتاب کو پڑھ کر اس پر عمل پیرا ہوگا۔ وہ حصولِ مولا میں کامیاب ہوگا۔ نیز آپ نے بالفاظِ صریح اس امر کا اعلان کیا ہے کہ دنیا دار اس کتاب سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔ بلکہ اس سے وہی شخص فائدہ اٹھائے گا جو ذاتِ الٰہی کا طالب ہوگا۔ نہایت خوشخط چھپ کر تیار ہو گئی ہے۔ اور بہت بڑی ضخامت میں ہے۔ باوجود اس قدر خوبی اور محبوبی کے قیمت صرف:- [redacted] روپے

لکچر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

یعنی امام غزالی علیہ الرحمۃ کے خیالات و تحقیق مذہب کی دلچسپ تاریخ قریباً ۵۰۰ھ ہجری کی تصنیف ہے۔ نہایت خوبی سے اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی اس کی اصل کتاب بھی چھپی ہے۔ قیمت [redacted] روپے

اردو ترجمہ کتاب مشکوٰۃ الانوار

یہ عجیب و غریب دلچسپ کتاب امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات میں سے ہے۔ اس میں حضرت نے آیہ اللہ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی نہایت عمدہ تفسیر فرما کر آیہ مشکوٰۃ الانوار کی تفصیل فرمائی ہے۔ قیمت:- [redacted] روپے

اردو ترجمہ مقصد الاسنیٰ شرح اسماء الحسنیٰ

جناب امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اسمائے باری تعالیٰ کی شرح نہایت شرح و بسط کے ساتھ فرمائی ہے اور منطقیانہ اور فلسفیانہ طور سے ہر ایک اسم مبارک کی شرح میں بحث کی ہے۔ اور نہایت محنت سے با محاورہ اردو ترجمہ کرا کر طبع کرائی ہے۔ قابلِ دید کتاب ہے۔ قیمت:- [redacted] روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُردو ترجمہ کتاب معارف لدُنیہ

سب تعریف اللہ تعالےٰ کے لئے لائق ہے۔ اور اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔ خاصکر اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ نبی اور رسُول پاک حضرت محمد رسول اللہ پر جو تمام مخلوقات کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اور دُنیا و آخرت میں آنحضرت اور اُن کے نیک اور پاک اور برگزیدہ آل و اصحاب پر درود و سلام ہو۔ اس کے بعد واضح ہو۔ کہ یہ وہ علوم الہامی اور معارف لدنی ہیں جن کو اللہ تعالےٰ کی رحمت کے محتاج شیخ احمد بن عبد الاحد فاروقی نقشبندی رضی اللہ تعالےٰ عنہ و عن والدیہ و آلہ نے تحریر کیا ہے +

معرفت۔ اللّٰہ کا مبارک لفظ الف اور لام سے جو تعریف کے اسباب میں سے ہیں۔ اور لفظ ہا سے کہ وہ بھی معارف کی قسم سے ہے۔ مرکب ہے۔ اور یہ مرکب مجموعہ ہے ذات واجب الوجود جل شانہٗ کا علم ہے۔ پس اس مبارک اسم میں تعریف کے تین قسم کے اسباب جمع ہوئے ہیں۔ گویا تعریف کے ان اسباب کے جمع کرنے میں حالانکہ ہر ایک سبب تعریف کے لئے کافی تھا۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس اسم عظیم جل شانہٗ کا مسمیٰ اپنی عظمت کے کمال اور درجہ کی بلندی اور مرتبہ کی بڑائی کے باعث کسی وجہ سے تعریف میں نہیں آسکتا۔ اور کسی طرح معلوم نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اگر تعریف کی وہاں تک رسائی ہوتی۔ تو تعریف کا صرف ایک ہی سبب کافی تھا کیونکہ سبب کے وجود میں اسباب کی کثرت کو کوئی دخل نہیں۔ وہ تو صرف اسباب تعریف کے ایک ہی وجود کے ساتھ موجود ہے۔ جب تعریف کے ایک سبب کے ساتھ معلوم نہیں ہوسکتا۔ تو معلوم ہوا کہ وہاں سبب کا کوئی دخل نہیں۔ جب اللہ تعالےٰ کی حقیقت میں اسباب کی سببیت و سبب ہونا مفقود ہے۔ تو اُس کی شان میں معرفت

اور معلومیت (پہچانا جانا اور علم میں آنا) بھی مفقود ہے +

نیز اللہ تعالیٰ کی پاک بارگاہ تک کسی عالم کا علم نہیں پہنچ سکتا۔ اور نہ ہی اُس کی تعریف میں کسی معروف کی تعریف فائدہ دے سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اس امر سے بڑھ کر اور برتر ہے۔ کہ کسی کے ادراک اور تعریف اور علم میں آسکے۔ اس بیان سے ظاہر ہوا۔ کہ یہ اسم مبارک جل شانہٗ دوسرے اسماء سے جدا ہے اور دوسرے اسماء کے احکام میں مشترک ہونے سے الگ ہے۔ دوسرے اسماء سے جدا اور الگ ہونے کے باعث ہی یہ اسم مبارک خدائے پاک کی بلند بارگاہ کے لائق ہے۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ جب تک یہ اسم مبارک اپنے مسمّی پر دلالت نہیں کرتا۔ تو اس کے بنانے کا اور وضع کرنے کا کیا فائدہ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے وضع کرنے میں فائدہ یہ ہے کہ اس کا مسمّی اپنے تمام ماسوا سے تمیز و ممتاز ہو جائے۔ بغیر اس کے وہ مسمّی معلوم ہو۔ پس اس اسم مبارک اور دوسرے اسماء میں یہ فرق ہے کہ دوسرے اسماء اپنے مسمیات پر دلالت کرتے ہیں۔ اور وہ مسمیات معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور اس علم سے ایک دوسرے کی تمیز اور امتیاز حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن اس اسم مقدس میں مسمّی کا علم مفقود ہے۔ تمام ماسوا سے امتیاز اور تمیز موجود ہے +

معرفت۔ الف و لام اسم نکرہ پر داخل ہو کر اس کو معرفہ بنا دیتا ہے۔ یعنی تعریف کے اس سبب سے اسم نکرہ معرفہ بن جاتا ہے۔ لیکن اس اسم مقدس میں معرفہ پر الف و لام آیا ہے جو ضمیر غائب ہے۔ جیسے کہ بعض محققین نے بیان کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اسم پاک میں سے ہا غیب ہویت پر دلالت کرتی ہے۔ اور الف و لام تعریف کے لئے ہے۔ گویا اس تعریف کے لانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صرف ضمیر کی تعریف مشارٌ الیہ کی تعین میں کافی نہیں ہے تعریف کا اور سبب بھی درکار ہے جو الف و لام ہے۔ اور لام کی تشدید تعریف کے مبالغہ کے لئے ہے۔ جب یہ سبب بھی باوجود اس مبالغہ کے کافی نہ ہوا۔ اور معرّف (جس کی تعریف کی جائے) کا تعین حاصل نہ ہوا۔ تو چار و ناچار اس مجموعہ مرکب کو علمی تعریف کی طرف لے گئے تاکہ شاید وہاں ہی کچھ تعین پیدا کرے یہاں بھی وہ تعین جو اس کی معلومیت کا باعث ہو حاصل نہ ہوا۔ حاصل کلام یہ کہ یہ اسم بہرحال اپنے ماسوا سے متمیز رہا۔ پس پاک ہے۔

وُہ ذات جس نے خلق کے لیئے عاجزی کے سوا اپنی معرفت کا کوئی رستہ نہیں بنایا +

معرفت۔ تعریف کے دو قسم کے اسباب سے اس علم مقدس کے مرکب ہونے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عقول و افہام کے درک اور ادراک سے برتر اور بڑھکر ہونے کے باعث صرف علمیّت کافی نہیں ہے بلکہ تعریف مذکور کے لیئے بہت سے اسباب ضروری ہیں۔ باوجود اس کے پھر بھی کسی کے علم اور تعریف میں ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا +

معرفت۔ اگرچہ مُعرّف کے وجود میں تعریف کے اسباب کی کثرت کا کوئی دخل نہیں تعریف کا صرف ایک سبب ہی کافی ہے۔ جیسے کہ گذر چکا۔ لیکن تعریف کے بکثرت اسباب کے لانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کا مسمیٰ مبہم اور نامعلوم ہے اور ادراک سے بعید اور بدتر ہے +

معرفت۔ حق تعالیٰ نے اپنے ذاتی شیون کو جو اس کی ذات کا عین ہیں خارج میں مرتبہ واحدیت میں جُدا جُدا جان لیا۔ چونکہ علم تمیز کا مقتضی ہے۔ اس لیئے ان شیونات نے خانہ علم میں تمیز پیدا کی۔ اور ہر شان خاص تمیز اور علیحدہ تشخص کا موجب بنا۔ اور ان شیونات کا جو خانہ علم میں متمیز ہیں۔ ممکنات نام ہوا۔ کیونکہ ممکن وُہ ہے جس کا وجود اور عدم برابر ہو۔ ان کا بھی یہی ہے۔ کیونکہ یہ بھی وجود اور عدم کے درمیان برزخ کی طرح ہیں۔ اپنی اپنی ذات کے لحاظ سے وجود کی طرف رُخ رکھتے ہیں۔ کیونکہ شیون خارج میں ذات کا عین ہیں۔ اور تمیز اور تشخیص کے لحاظ سے عدم کی طرف رُخ رکھتے ہیں۔ کیونکہ وجود کی تمیز عدم کے سبب ہے۔ کیونکہ اشیاء اپنی اپنی ضد کے ساتھ پہچانی جاتی ہیں۔ یہ علمیہ صورتیں خارج میں کوئی وجود نہیں رکھتیں۔ اور خانہ علم سے باہر نہیں نکلیں۔ بلکہ حق سُبحانہٗ تعالےٰ ان کے احکام اور آثار سے خارج میں ظاہر ہے۔ پس یہ صورتیں علم میں ہیں اور ان کے احکام اور آثار خارج میں عین ذات ہیں۔ کیونکہ خارج میں احدیت مجرّدہ کے سوا کچھ نہیں۔ پس مطلق ظہور عینی طور پر وجود کے لیئے ہے۔ اور مطلق ظہور حکمی طور پر اشیاء کے لیئے۔ اور یہ جو معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورتیں بھی خارج میں موجود ہیں۔ محض وہم اور تصوّر ہی ہے۔ جیسے کہ کشف اور عرفان والے لوگوں کا ذوق اس بات پر گواہ ہے۔ اس وہم کا منشا یہ ہے کہ حق تعالےٰ نے اپنی قدرت کاملہ

سے اِن علمیہ صُورتوں کو ظاہر وجود کے ساتھ مجہُول الکیفیت نسبت بخشی۔ خلق اسی نسبت کے ایجاد سے مراد ہے۔ یہی نسبت خارج میں اُن کے ظہُور اور نمود کا باعث ہوتی ہے جیسے کہ شخص کی صُورت کو اُس آئینہ کے ساتھ جو اُس کے مقابل ہو۔ ایک نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو اُس آئینہ میں اُس کی صُورت کے ظہور کا باعث بن جاتی ہے ورنہ آئینہ ویسے ہی اپنی بیرنگی اور صفائی پر ہے۔ پس حق تعالیٰ اب بھی ویسا ہی ہے جیسے کہ ازل میں تھا۔ اور کوئی شئے اُس کے ساتھ نہیں ۔

معرفت۔ شیون نے خانۂ علم میں ایک دُوسرے سے متمیز ہونے کے سوا اور کوئی رنگ قبول نہیں کیا۔ اور یہ جو خارج میں ان کی تمائز کے سوا ظاہر ہوتا ہے۔ وہ اُن کے خارجی احکام اور لوازم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سالک جب اپنے عین ثابتہ تک پہنچتا ہے۔ اور وہ عین ثابتہ اُس پر منکشف ہوتا ہے تو خارجی اشکال میں سے کوئی چیز اس میں نہیں پاتا۔ اور متمیز شئے کے سوا کچھ بھی اُس پر ظاہر نہیں ہوتا۔ اگر تمیز کے سوا کوئی اَور رنگ رکھتا تو ظاہر ہو جاتا۔ اور یہ انبساط جو دکھائی دیتا ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بیشمار شیونات پر مشتمل ہے۔ اور اُس کی کرویت یعنی گولائی کا باعث یہ ہے کہ بسط کی طبعی شکل کروی اور گول ہے۔ اور یہ جو مشائخ قدس سرہم نے فرمایا ہے۔ کہ سالک کے سیر کا منتہا وہی اسم ہے۔ جو اس کا مبدءِ یقین ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے سیر کا منتہا اُس کا عین ثابتہ ہے۔ اَور یقین سے مراد تمیز خارجی ہے۔ اور اس تعین و تمیز کا مبدء اُس کا وہی عین ثابتہ ہے۔ اِس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تعین سے مراد تعین علمی اور مبدء سے مُراد شان الٰہی ہے۔ کیونکہ شان خارج میں عین ذات ہے۔ اور ذات سے متمیز نہیں۔ تاکہ کسی چیز کا مبدء ہوسکے اور سیر وہاں تک منتہی ہو سکے۔ عین ثابتہ تک پہنچنے کے بعد بھی سیر اُس کے اِسی عین ثابتہ میں ہے۔ کیونکہ وہ بے نہایت شیونات پر مشتمل ہے۔ اِس سیر کو سیر فی اللہ کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کا تعین علمی وہ تعین ہے جو مرتبہ جمع سے ہے۔ اور وُہ صفات جو اس پر مشتمل ہیں الٰہی ہیں نہ کوئی حقیقت میں سیر فی اللہ اس سے مراد ہے۔ کیونکہ اللہ سے مراد ذات مع الصفات ہے نہ کہ ذات احدیت۔ چونکہ ان شیونات الٰہی نے خانۂ علم میں تعین و تمیز کا رنگ پیدا کیا ہے اُور اِس نسبت کے باعث موجود اور معدوم کے درمیان برزخ بن گئے ہیں تو اس لحاظ

سے اگر سیر ورا شیاء کو سیر ور عالم کہیں تو بجا ہے۔ اسی سبب سے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اخیر نقطہ تک پہنچنے کے بعد پھر پہلے نقطہ کی طرف رجوع ہونا پڑتا ہے۔ اس سیر کو سیر فی الاشیاء ما بعد کہتے ہیں۔ اور یہ جو بزرگوں نے کہا ہے کہ سیر فی اللہ عاشق میں معشوق کا سیر ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جب عاشق اپنے اوصاف و افعال سب معشوق کو دیدیتا ہے۔ اور خود خالی ہو جاتا ہے۔ تو اس کے بعد جو فعل اس سے وقوع میں آتا ہے وہ اس کی طرف منسوب نہیں ہوتا۔ بلکہ معشوق کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ پس یہ سیر بھی اس کی طرف منسوب ہوگا۔ عاشق مکان کے سوا جو خلا سے مراد ہے۔ اور کچھ نہیں رکھتا اسی واسطے اس سیر کا نام عاشق میں معشوق کا سیر ہے۔

معرفت۔ وہ تشبیہ جو تنزیہہ کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے عین ثابتہ کے انکشاف سے مراد ہے اور جو تشبیہ تنزیہہ کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے یہی تشبیہہ ہے۔ جو مرتبہ جمع سے ہے۔ اور وہ تشبیہہ جو تنزیہہ کے ظہور سے پہلے ہے۔ اور مرتبہ فرق سے ہے۔ وہ تنزیہہ کے ظہور کے وقت محو اور متلاشی ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ جمع ہونے کی تاب نہیں لاتی۔ اور تشبیہہ اور تنزیہہ کے باہم جمع ہونے کے یہ معنی ہیں۔ کہ ادراک بسیط کا مطلق کرنا ہی تنزیہہ ہے۔ ان صفات الٰہی کے پردہ میں جن پر عین ثابتہ مشتمل ہے۔ تنزل کرنے کے بعد علم میں آجاتا ہے۔ اور ادراک کا متعلق مرکب جیسا تا ہے۔ یہی تنزیہہ اور تشبیہہ کا باہم جمع ہونا مقام تکمیل ہے۔ کیونکہ صرف تنزیہہ والا شخص اپنی ادراک میں ذات کے منحصر کرنے پر قادر نہیں۔ کیونکہ ذات کا علم ان صفات الٰہیہ کے پردہ میں ہوتا ہے جن پر عین ثابتہ مشتمل ہے۔ اور عین ثابتہ ابھی تک اس پر منکشف نہیں ہوا۔ پس جو شخص اپنے مطلوب کا علم نہیں۔ وہ غیر کو اس کی طرف کس طرح رہنمائی کر سکتا ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ مطلوب حقیقی کو صفات کے پردہ میں معلوم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ آئینہ اور مظہر ہونے کی طاقت نہیں رکھتے۔ لَا یَحْمِلُ عَطَایَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَایَاهُ (بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں)۔

فنا فی اللہ اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو اپنے وجود کے ہر ذرہ کو تمام اشیاء کا آئینہ معلوم کرے۔ اور تمام اشیاء کو اس میں مطالعہ کرنے۔ اور اس کا ہر ایک ذرہ سب کے رنگ میں رنگا ہو۔ کیونکہ ہر شان ذات الٰہی کے مرتبہ میں جو فنا فی اللہ میں معتبر ہے۔ بیشمار شیونات

پر مشتمل ہے۔ اِس لئے کہ ذات سے متمیز اور جُدا نہیں۔ پس جس طرح ذات تمام پر مشتمل ہے
اس کا شان بھی سب پر مشتمل ہے۔ پس سالک اپنے ہر ذرہ جامعہ کو ہر شان جامع میں فانی
کر دیتا ہے۔ اور ہر ذرہ کی بجائے شیون الٰہی میں سے ایک شان معلوم کرتا ہے۔ اگرچہ اُنکی
تفصیل پر اِس کو اطلاع نہیں ہوتی۔ پس جب تک سالک کا ہر ذرہ جامعیت کی صفت
پیدا نہ کرے۔ تب تک اس فنا کی قابلیت اس کو حاصل نہیں ہوتی۔ بعض سالک ایسے
ہوتے ہیں۔ جو اپنی قوت مدرکہ کی کمزوری کے باعث اپنی جامعیت کو دریافت نہیں
کرسکتے۔ اگرچہ واقعہ میں یہ کمال رکھتے ہیں کہ فنا فی اللہ سے مشرف ہوں۔ لیکن یہ ضروری
اور لازم نہیں کہ جس شخص کو یہ جامعیت حاصل ہو وہ فانی فی اللہ ہی ہو جائے۔ ذَالِكَ
فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے جس کو
چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ بڑے فضل والا ہے۔

معرفت۔ اللہ تعالےٰ کا فعل اور صفت اس کی ذات کی طرح یگانہ ہے۔ اس میں کثرت
کی گنجائش نہیں۔ حاصل کلام یہ کہ جب اللہ تعالےٰ کی ذات نے الگ الگ مختلف
بے شمار امور کے ساتھ تعلق پیدا کیا۔ تو اُس کی صفت اور فعل نے بھی تعلق پیدا کیا
کیونکہ یہ خارج میں عین ذات ہیں۔ پس جس طرح ذات بے شمار اشیاء کے ساتھ تعلق پیدا
کرنے کے باعث بے شمار ذوات دکھائی دیتی ہیں۔ اسی طرح حق تعالےٰ کی صفت
اور فعل بھی اسی تعلق کے باعث متعدد اور بے شمار دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً حق تعالےٰ
کا فعل ازل سے ابد تک ایک ہی فعل ہے۔ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (ہمارا
امر صرف ایک ہی ہے۔ ایک لحظہ کی طرح) چونکہ اس فعل نے متعدد اشیاء کے ساتھ تعلق
پیدا کیا ہے اس واسطے یہ فعل بھی متعدد اور بے شمار معلوم ہوتا ہے۔ اور جس طرح ذات تمام
اضداد کی جامع ہے۔ اس کی صفت اور فعل بھی تمام اضداد کا جامع ہے۔ جیسے گذر چکا۔ پس
وہی ایک فعل کہیں زندہ کی صورت میں ظہور کرتا ہے اور کہیں مردہ کی صورت میں۔ کہیں
اس فعل کو انعام و اکرام کہتے ہیں۔ کہیں ایلام و انتقام۔ اسی طرح کلام بھی جو اللہ تعالےٰ کی
صفت ہے یگانہ ہے۔ اور ازل سے ابد تک اسی ایک کلام کے ساتھ متکلم ہے۔ کیونکہ
گونگا پن اور خاموشی اس بارگاہ جل شانہ کے حال کے لائق و جائز نہیں۔ وہی ایک کلام
مختلف محلوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے باعث بیشمار کلمات اور مختلف صیغے دکھائی

دیتے ہیں۔ کبھی اس کو امر کہتے ہیں کبھی اس کو نہی۔ کبھی اس کو اسم اور کبھی حرف بولتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اور یہ جو علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ذات پاک پر زمانہ کے احکام جاری نہیں ہوتے۔ اس کا یہی مطلب ہے۔ کیونکہ ازل سے ابد تک حق تعالےٰ کے نزدیک ایک ہی آن حاضر ہے۔ اس کی طرف ماضی و مستقبل منسوب نہیں ہوتے۔ چونکہ اس ایک آن میں متعدد اور بے شمار امور ظہور میں آتے ہیں اس لوح ہستی پر امتیاز اور اختلاف پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے وہ ایک آن ان بے شمار تعلقات کے باعث بے شمار آن اور متعدد زمانے معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح حق تعالےٰ کا وجود جو اللہ تعالےٰ کی ذات کا عین ہے بسیط حقیقی ہے۔ نقطہ کی طرح ہرگز ہرگز تجزی (جزو جزو ہونا) اور تقسیم کے قابل نہیں۔ لیکن مختلف بے شمار اشیاء کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے باعث منبسط اور مسطح (فراخ اور چوڑا) دکھائی دیتا ہے۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ جب علمیہ صور میں اس نسبت کے ثابت ہونے کے باعث جو ذات کو ان کے ساتھ ہے۔ ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ گویا ذات کے آئینہ میں کائن و ثابت ہیں۔ اور ایسے ہی یہ علمیہ صورتیں اسماء و صفات کے آئینے ہیں۔ اور وہ اسماء و صفات جو ان میں سے ہر ایک کے آئینے میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس سے کا وجہ خاص ہے پس اس سے لازم آتا ہے کہ ذات میں شے کو غیر شے فرض کیا جائے۔ اور انقسام اور تجزی کے یہی معنی ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس اشکال کا حل چند مقدموں پر مبنی ہے۔ اوّل یہ کہ نقطہ موجودہ کسی طرح تقسیم کے قابل نہیں۔ جیسے کہ حکماء محققین وغیرہ نے کہا ہے۔ دوسری یہ کہ برہان ہندسی سے ثابت ہوا ہے۔ کہ دائرہ کا مرکز نقطہ ہے جو کسی طرح انقسام اور تقسیم کے قابل نہیں۔ تیسری یہ کہ برہان ہندسی سے ثابت ہوا ہے کہ مرکز دائرہ سے خطوط نکلکر جو محیط دائرہ یا محیط کے نقطوں تک پہنچتے ہیں۔ وہ سب برابر ہوتے ہیں۔ جس طرح ان خطوں میں سے ہر ایک خط کا مبدء وہی نقطہ ہے اس کا منتہا بھی وہی نقطہ ہے۔ جب یہ تینوں مقدمے معلوم ہو چکے۔ تو اب جاننا چاہیئے کہ جب نقطہ سے بیشمار خطوں کے نکلنے اور کثرت حقیقی کے مبدء ہونے کے باعث اس کی وحدت اور بساطت میں کوئی نقص نہیں آتا۔ اور اسی طرح غیر منقسم دکھائی دیتا ہے۔ تو اگر حق تعالےٰ کا وجود بھی کثرت وہمی کا مبدء ہو اور بے شمار اشیاء اس کی ذات کے آئینہ میں ثابت و موجود دکھائی دیں۔ تو اس کی بساطت

میں بھی کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ بلکہ طریق اولیٰ اپنی خالص اور صرف وحدت پر برقرار ہوگا۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کی ذات و صفات و اسماء میں موجودات کے پیدا ہونے سے کوئی تغیر و تبدل پیدا نہیں ہوا ۔

معرفت۔ وجود موہوب حقانی اس کے عین ثابتہ کے انکشاف سے مراد ہے۔ یعنی محض اللہ تعالیٰ کی بخشش اور مہربانی سے کوئی تعینات کے فنا ہونے کے بعد اس پر ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا تعین وہی تعین بسیط ہے جو مرتبہ جمع سے ہے ۔

معرفت۔ ذات کی تجلی ذات کے ظہور سے مراد ہے۔ اور کسی شے کا ظہور تعین اور تمیز کے بغیر محال ہے۔ پس ذات کی تجلی اور اس کا ظہور بھی بغیر تعین کے نہیں ہوتا۔ اور وہ تعین اول ہے۔ جو تمام تعینات سے زیادہ وسیع اور عظیم ہے۔ یہ تعین اول وحدت سے موسوم ہے۔ وہ اسم جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبدء تعین ہے یہی وحدت ہے۔ چونکہ سالک کی سیر کی انتہا اس کے اس اسم تک پہنچنے سے مراد ہے جو اس کا مبدء تعین ہے۔ اس لئے تجلی ذات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہوگی۔ یہ تعین تمام صفات و اسماء اور نسبتوں اور اعتباروں پر اجمال کے طور پر بغیر تمایز کے مشتمل ہے۔ اور مرتبہ واحدیت میں تفصیل اور اس کے اقسام ظاہر ہوئے۔ جو تمام مخلوقات کے مبدء تعین ہیں۔ وہ اسماء جو تمام مخلوقات کے مبدء تعین ہیں ان سے مراد وہ صفات و اسماء ہیں جو اس تعین کے تحت میں مندرج ہیں۔ اور جنہوں نے مرتبہ واحدیت میں تفصیل پیدا کی ہے۔ پس دوسرے سالکوں کے سیر و سلوک کی انتہا انہی اسماء و صفات تک ہے۔ پس دوسروں کی تجلی صفاتی اور اسمائی ہے۔ اور یہ بات کہ تجلی ذاتی اس اسم کے پردہ میں ہوتی ہے۔ جو صاحب تجلی کا مبدء تعین ہے۔ اس سے یہی مراد ہے۔ پس حقیقت محمدی کل ہے۔ اور باقی تمام موجودات کے حقائق اس کے اجزاء اور وہ لوگ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی سعادت حاصل کی ہے اور کامل اتباع ان کو نصیب ہوا ہے۔ اس متابعت اور مناسبت کے باعث ان کو بھی تجلی ذاتی سے نصیب حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ ان پر ظاہر ہوا ہے کہ ان کی حقیقت موجودات کی تمام حقیقتوں کی عین ہے۔ پس یہ لوگ تمایز کی تنگی اور اقسام کی تفصیل سے خلاص ہو گئے ہیں۔ گویا ان کا مشہود اقسام کے پردہ کے بغیر وہی مقسم ہے اور ان کے

تعینات کے مبادی بھی وہی مقسم ہیں نہ کہ اقسام۔ مثلاً اسم جو فی نفسہٖ اپنی دلالت اور اس میں زمانہ کے نہ پائے جانے کے پردہ میں حاضر کلمہ ہے۔ جو کلمہ کے باقی اقسام کی نسبت اس کا مبدء تعین ہے۔ لیکن جب اسم نے اپنے آپ کو فعل اور حرف کا عین معلوم کیا تو تمائز کی تنگی اور اقسام کی تفصیل سے اس کو نجات حاصل ہوگئی۔ اور اس نے اپنا مبدء تعین اسی کلمہ کو معلوم کیا نہ کہ اس کی قسم کو۔

معرفت۔ اشیاء کی علمیہ صورتوں سے مراد حضرت علم میں ان کا ایک دوسرے سے متمیز ہونا ہے۔ اور یہ جو محققین صوفیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا ہے کہ اشیاء کی صورتیں فقط علم میں ہیں۔ اور ان کے احکام و آثار خارج میں موجود نہیں۔ اس کے یہ ہیں کہ تمائز علم میں ہے۔ اور خارج میں حضرت حق سبحانہٗ تعالےٰ اپنی وحدت ذاتیہ پر موجود ہے۔ جو ان کے احکام اور آثار میں ظاہر ہوا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ علمیہ صورتوں سے مراد یہی صورتیں اور شکلیں ہیں۔ جو خارج میں ظاہر ہیں۔ کیونکہ یہ صورتیں بھی علمیہ صورتوں کی مقتضیات سے ہیں نہ کہ ان کی عین۔ مثلاً ہر تمیز علمی استوا (سیدھا ہونا) اور انحنا (ٹیڑھا ہونا) اور استقامت (کھڑا ہونا) اور انحداب (کبڑا ہونا) میں سے خاص شکل کی مقتضی ہے۔ اور یہ سب ان علمیہ صورتوں کے آثار ہیں۔ جیسے کہ گرمی اور سردی اور تری اور خشکی اور ہلکا اور بھاری اور لطیف اور کثیف ہونا ان کے احکام و آثار ہیں۔ اور چونکہ ہر ایک شان جو علم میں متمیز ہے بے نہایت شیونات پر مشتمل ہے۔ اس لئے ہر صورت علمیہ میں ہر شان کے موافق بے نہایت تمیزات پیدا ہوگئیں۔ اور ہر ایک تمیز الگ الگ حکم اور اثر کی مقتضی ہوگئی۔ اور خارج میں اس مجہول الکیفیت نسبت کے باعث جو ان کو ذات کے ساتھ حاصل ہے ایسا معلوم ہوا کہ تمائز خارج میں ہے۔ پس خارجی ظہور اور نمود میں قوت باصرہ قوت سامعہ سے ممتاز ہوگئی۔ اور قوت ذائقہ قوت شامہ سے الگ ہوگئی۔ پس وہ تمیز و تعین جو مرتبہ علم میں ہے۔ اور جس کو ممکن کی حقیقت اور اس کا عین ثابتہ کہتے ہیں مرتبہ جمع سے ہے۔ اور ان کے احکام و آثار یعنی شکلیں اور صورتیں جو خارج میں ظاہر ہیں۔ مرتبہ فرق سے ہیں۔ کیونکہ اسی تمیز کے باعث پیدا ہوئی ہیں۔ اور ان کے ظہور کا منشاء یہی فرق ہے۔ اور وہ جو مرتبہ جمع سے ہے حقائق الٰہی کی قسم سے ہے

اور جو مرتبہ فرق سے ہے۔ وہ حقائق کونی کی قسم سے ہے۔ اگرچہ دونوں مرتبہ ذات میں مندرج ہیں۔ لیکن دوسرے مرتبہ کا اندراج مرتبہ اوّل کے باعث ہے نہ کہ بالذات۔ پس مرتبہ اوّل شب کی قسم کی طرح ہے اور دوسرا شب کی قسم کی طرح۔ جب سالک فرق کے تمام مراتب کو طے کر کے مرتبہ جمع یعنی اپنے عین ثابتہ کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔ تو اس وقت تجلی ذاتی اس کے حق میں اس کے عین ثابتہ کا وہی انکشاف ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ؟

معرفت۔ علم الیقین حق تعالیٰ کی ذات میں ان آفاقی آیات و نشانات کے شہود سے مراد ہے جو حق تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ ذات کا مشہود و حضور متجلی لہ کے نفس کے سوا نہیں ہوتا۔ اور جو کچھ اس کی اپنی بیرونی طور میں مشہود ہے سب دلایل اور آثار ہیں۔ پس وہ تجلیات جو صورتوں اور نوروں میں ہوتی ہیں۔ اور متجلی لہ کی صورت کے سوا ہیں۔ علم الیقین میں داخل ہیں۔ خواہ کوئی صورت اور خواہ کوئی نور ظاہر ہو۔ اس امر میں بارنگ اور بے رنگ نور برابر ہے۔ حضرت مخدومی مولوی عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ شرح لمعات میں یہ بیت فرماتے ہیں ؎

اے دوست ترا بہر مکان می جستم ہر دم خبرت از این و آں مے جستم

ترجمہ بیت۔ اے دوست ہر مکان میں تجھ کو میں ڈھونڈھتا تھا۔ تیری خبر ہر اک سے ہر دم میں پوچھتا تھا۔ اس بیت میں مشاہدۂ آفاقی کی طرف اشارہ ہے جو علم الیقین کے لئے مفید ہے چونکہ یہ مشہود آفاقی آثار و علامات کے سوا مقصود حقیقی کی کوئی خبر نہیں دیتا اور کوئی حضور نہیں بخشتا۔ جیسے کہ دھواں اور گرمی استدلال اور آثار و علامات کے سوا آگ کے حضور کا کوئی فائدہ نہیں دیتے۔ اس لئے یہ مشہود دائرہ علم سے باہر نہیں ہے۔ اور عین الیقین کے لئے مفید نہیں ہوتا۔ حضرت قطب الاقطاب ناصر الدین خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ سیر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مستطیل دوسری مستدیر۔ سیر مستطیل بعد در بعد یعنی بہت ہی دور ہے۔ اور سیر مستدیر قرب در قرب یعنی نہایت ہی قریب ہے سیر مستطیل مقصود کو اپنے دائرہ کے باہر طلب کرنا ہے۔ اور سیر مستدیر اپنے دل کے گرد پھرنا اور مقصود کو اپنے آپ سے ڈھونڈنا۔ عین الیقین حق تعالیٰ کے اس شہود سے مراد ہے جو بندہ کو اپنی تعین کے حجاب دور ہو جانے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ یہ شہود اس طائفہ علیہ کے نزدیک ادراک بسیط سے مراد ہے۔ یہ ادراک عام لوگوں کو بھی حاصل ہے۔ لیکن فرق یہ ہے

کہ خواص کو حق تعالیٰ کے غیر کا وجود ان کی آگاہی سے نہیں روکتا۔ ان کی شہود کی آنکھ میں حق تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن عوام کا حال اس کے برخلاف ہے۔ یہ ادراک علم کے منافی ہے۔ وہاں سب حیرت ہی حیرت ہے۔ جیسے کہ علم اس شہود کے منافی ہے۔ اسی طرح عین اس علم کا حجاب ہے۔ جیسے کہ شیخ اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنی کتاب العجب میں ذکر کیا ہے کہ علم الیقین عین الیقین کا حجاب ہے۔ اور عین الیقین علم الیقین کا حجاب۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالےٰ کو پہچان لیا جیسے کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے۔ اس کا نشان یہ ہے کہ اس کے سر پر اطلاع پالیتا ہے لیکن اس کو اس کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ یہی شخص کامل معرفت والا ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی معرفت نہیں۔ حق الیقین حق تعالےٰ کے شہود اور حق تعالےٰ کو اپنا عین جاننے سے مراد ہے یہ مرتبہ بقا باللہ میں حاصل ہوتا ہے۔ جب کہ فنائے حقیقی کے حاصل ہوجانے کے بعد اس کو حق تعالےٰ اپنے پاس سے وجود موہوب حقانی سے مشرف فرماتا ہے اور سکر حال اور بے خودی سے صحو اور افاقہ بخشتا ہے۔ اس مرتبہ میں علم اور عین ایک دوسرے کا حجاب نہیں ہیں عین شہود میں عالم ہے اور عین علم میں شاہد۔ یہ تعین جس کو عین کہتے ہیں اس کو حق جانتے ہیں۔ اس مرتبہ میں تعین کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ بلکہ حقانی ہے جیسے کہ گذر چکا۔ اور یہ جو تجلیات صوری والے لوگ اپنے صورتوں کے تعینات کو حق جانتے ہیں۔ وہ وہ تعینات کونی ہیں۔ جن کی طرف فنا نے راستہ نہیں پایا۔ یہ فرق چونکہ بعض راستہ کے بعض متوسطوں پر مخفی و پوشیدہ رہا ہے۔ اس لئے انہوں نے خیال کیا ہے کہ حق الیقین میں بھی انہی تعینات کونی کو حق جانتے ہیں۔ اور اسی جہالت کے باعث ان بزرگواروں پر طعن کرتے ہیں۔ اور گمان کرتے ہیں کہ یہ حق الیقین ہم کو پہلے قدم ہی میں کہ جس کو تجلی صوری کہتے ہیں۔ اور جس کو کشف ملکوت سے تعبیر کرتے ہیں حاصل ہو جاتا ہے۔

معرفت۔ حق تعالیٰ کی معرفت واجب ہے۔ اس میں صوفیہ کرام اور اکثر متکلمین کا اتفاق ہے۔ لیکن اس طریق میں جو معرفت کی طرف پہچاننے والا ہے۔ اختلاف ہے۔ صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ معرفت کا طریق ریاضت اور باطن کا تصفیہ ہے اور اشاعرہ اور معتزلہ متکلمین کہتے ہیں۔ کہ معرفت کا طریق نظر اور استدلال ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں

کہ ان دونوں گروہوں کے درمیان لفظی نزاع و جھگڑا ہے یعنی لفظ معرفت کی تفسیر پر مبنی ہے۔ صوفیہ کرام معرفت بسیط وجدانی کی دریافت مراد لیتے ہیں۔ جو تصدیق ایمانی کی صورت کے برخلاف ہے اور متکلمین تصدیق ایمانی کی صورت مراد لیتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ معرفت کے حاصل کرنے کا طریق پہلے معنوں میں ریاضت اور تصفیہ باطن ہے۔ اور تصدیق ایمانی کی صورت کے حاصل ہونے کا طریق نظر اور استدلال ہے اور یہ جو کہتے ہیں کہ مکلف پر جو واجب ہے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے مراد دوسرے معنی کی معرفت ہے نہ کہ معنی اول کی۔ کیونکہ معنی اول کی معرفت کا حاصل ہونا حق الیقین ہے۔ جو اہل اللہ کے کمال کے مرتبوں کی نہایت ہے۔ نیز ان دونوں معرفتوں کا درمیانی فرق اس طرح بیان کرتے ہیں کہ صوفیہ کی معرفت حق تعالیٰ کے اس علم حضوری سے مراد ہے جو فنا اور بقا کے بعد متصور ہوتا ہے۔ اور جس کی تعبیر شناختن اور یافتن سے کرتے ہیں۔ اور متکلمین کی معرفت حق تعالےٰ کے اس علم حصولی سے مراد ہے جو نظر اور استدلال کا نتیجہ ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ جو علم خارج سے حاصل ہوتا ہے وہ عالم کے مدرکہ میں صورت معلوم یا اس کی حاصلہ صورت کے حصول سے مراد ہے۔ اس علم کو علم حصولی کہتے ہیں۔ اور وہ علم جو ایسا یعنی خارج سے حاصل نہ ہو بلکہ عالم کی ذات کے ساتھ متعلق ہو۔ اس علم کو علم حضوری کہتے ہیں۔ جب عارف اپنی ذات وصفات کے فنا کے بعد بقا باللہ سے مشرف ہوتا ہے اور اس کا آنا یعنی ہستی وجود کوئی سے بالکل دور ہو جاتی ہے۔ اور حقیقت پر اطلاع پا لیتا ہے تو اس وقت علم حصولی سے علم حضوری کی طرف انتقال کر جاتا ہے۔ اور دانستن سے یافتن تک پہنچ جاتا ہے۔ کیونکہ یافت یا بندہ کی ذات کے باہر نہیں ہوتی معاذ اللہ کوئی بیوقوف یہاں حصول اور اتحاد نہ سمجھ لے۔ اور دین کے بزرگوں کے حق میں بدظنی نہ کرے۔ اور بد اعتقادی کے بھنور میں پڑھ کر ہلاک نہ ہو جائے۔ جاننا چاہیئے کہ ولایت کا عقل و فکر کے طور سے بالاتر ہے اس کا طریق کشف صحیح ہے اس مقام میں نظر اور استدلال کی گنجائش نہیں ؎

پائے استدلالیاں چوبیں بود پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

ترجمہ بیت۔ چوب کے پاؤں ہیں استدلال کے۔ پائے چوبیں سے نہ کوئی چل سکے۔ اور یہ جو حکما اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حق تعالیٰ کی ذات کی معرفت سے منع فرمایا ہے۔

وُہ معرفت تصدیق ایمانی کی صُورت کے معنوں میں ہے۔ چنانچہ ان کا منع کرنا اِن کے اِس کلام سے ظاہر ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالٰے کی ذات کی معرفت یا بدیہی ہے یا نظری اِن دونوں میں سے ہر ایک باطل ہے۔ یہ سب بحث کلامیہ کتابوں میں لکھی ہے۔ نیز انہوں نے ذات کی معرفت کے منع کرنے سے مراد ذات کی کنہ اور حقیقت لی ہے۔ نہ کہ معرفت بوجہ۔ کیونکہ ذات بوجہ کی معرفت سب کو حاصل ہے جیسے کہ ذات کو خالقیت یا رازقیت کی وجہ سے جانیں۔ جیسے کہ اِن بزرگوں نے کہا ہے۔ واضح ہو کہ شے بوجہ کی معرفت اور وجہ شے کی معرفت کے درمیان بہت فرق ہے۔ اور جس معرفت کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ وُہ وجہ ذات کی معرفت ہے نہ کہ ذات بوجہ کی معرفت۔ اگر کوئی کہے کہ یہ خلق اور رزق میں مسلم ہے۔ کیونکہ کہہ سکتے ہیں کہ معلوم خلق کی وصف ہے نہ کہ ذات بوصف خلق۔ لیکن خالقیت میں درست نہیں ہے۔ کیونکہ خالقیت کے معنی ذات لہ الخلق کے ہیں۔ پس ذات اس صفت سے معلوم ہو گئی تو ہم کہتے ہیں کہ ذات سے مراد یا ذات کا مفہوم ہے یا ما صدق۔ اگر مفہوم ہے تو وُہ عرض عالم ہے۔ پس معلوم وہی وجہ ہے نہ کہ ذات۔ اور اگر ما صدق ہے تو اس کا علم کنہ ذات کے علم کو مستلزم ہے۔ کیونکہ کنہ شے اسی شے کے نفس سے مراد ہے۔ پس اگر کنہ کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ فرض کریں تو وُہ حق تعالٰے کی ذات کی کنہ کا علم ہو گا۔ کیونکہ ذات متجزی اور متبعض (جزو و جزو اور بعض بعض) نہیں ہے۔ تاکہ بعض ان کا جانا جائے اور بعض دُوسرا مجہُول رہے۔ وہ بسیط حقیقی ہے۔ اگر علم کا تعلق اس کے ساتھ فرض کریں تو اِس سے اس کی کنہ کا علم لازم آتا ہے۔ برخلاف مخلوقات کے کہ اِن کی وجہ کا علم کنہ کے علم کو مستلزم نہیں۔ بلکہ اِن کی حقیقت سے کچھ چیز اس وجہ کے ضمن میں معلوم ہو جاتی ہے۔ اور کنہ تمام حقیقت سے مُراد ہے۔ مثلاً انسان کو وجہ شے سے جاننا کہ حرکت ارادی پر دلالت کرتا ہے۔ انسان کی حقیقت سے کچھ چیز معلوم ہوتی ہے۔ نہ کہ اس کی کنہ جو اس کی تمام حقیقت سے مُراد ہے۔ اسی طرح ہنسنا جس کا منشا تعجب ہے۔ امور غریبہ کے ادراک پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے بھی انسان کی حقیقت سے ایک جزء معلوم ہوتی ہے۔ الغرض جس جگہ حقیقت تبعض اور تجزی کے قابل ہو۔ وہاں شے بوجہ کا علم کنہ کے علم مستلزم نہیں ہوتا۔ اور جس جگہ بسیط حقیقی ہے جو کسی طرح

بھی تجزی اور تبعض کو قبول نہیں کرتا۔ اگر علم اس کے ساتھ متعلق ہو۔ خواہ کوئی علم ہو اس کی کنہ معلوم ہو جاتی ہے جیسے کہ واجب تعالےٰ ہیں۔ اور کنہ ذات کی معرفت محال ہے جیسے کہ گذر چکا۔ پس ذات جل و علا کی معرفت معنی مذکور کے طور پر بالکل ممنوع ہے۔ خواہ کنہ ذات کی معرفت ہو خواہ وجہ ذات کی معرفت۔ کیونکہ علم کی حقیقت معلوم کے احاطہ اور اس کے ماسوا سے اس کے متمیز ہونے کی مقتضی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کسی کے احاطہ میں نہیں آسکتی۔ لَا یُحِیْطُوْنَ بِہٖ عِلْمًا (علم کے رُو سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے) کیونکہ احاطہ اور تمیز تحدید کو چاہتے ہیں اور وہ اللہ تعالےٰ کے شان ممنوع ہے۔ پس علم اس کے ساتھ تعلق نہیں پکڑتا اور وہ اللہ تعالےٰ کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ حاصل کلام یہ کہ جب اس کے وجوہ کو جانتے ہیں۔ تو خیال کرتے ہیں۔ کہ ذات کو ان وجوہ کے ساتھ جانتے ہیں۔ اور اس باریک و دقیق فرق کو معلوم نہیں کر سکتے۔ بلکہ میں کہتا ہوں۔ کہ حق تعالےٰ کی صفات بھی اس کی ذات کی طرح غیر معلوم ہیں کسی طرح بھی علم کے احاطہ میں نہیں آسکتے اور کسی مخلوق کو معلوم نہیں ہو سکتے۔ مثلاً حق تعالےٰ کے علم کی صفت مخلوقات کے علوم کی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ علم کی اس صفت کو جو مخلوقات میں ہے۔ معلوم کے انکشاف میں کوئی دخل نہیں۔ مگر یہ کہ اللہ تعالےٰ عادت کے طور پر اس صفت کے پیدا کرنے کے بعد موصوف میں انکشاف پیدا کر دیتا ہے۔ اگر کچھ اس انکشاف کی تاثیر کے قائل ہو جائیں۔ جیسے کہ بعض متکلمین نے کہا ہے وہ تاثیر بھی اس میں پیدا کی ہوئی ہے مؤثر ہونے میں اس کا کوئی دخل نہیں۔ صرف اتنی بات ہے کہ اس پر اس اسم کا اطلاق کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ میں علم کی صفت ایسی نہیں ہے۔ بلکہ سوائے اسمی اشتراک اور رسمی اطلاق کے اس کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ اسی طرح آنحضرت جل شانہٗ میں قدرت و ارادت کی صفت ہے۔ جو افعال کے صادر ہونے کا مبدء اور مخلوقات کے وجوہ کا منشا ہے۔ اور قدرت و ارادت جو مخلوقات میں ہے وہ ایسی نہیں ہے۔ بلکہ حق تعالےٰ شے کے ساتھ ان کی قدرت اور ارادت کے تعلق ہونے کے بعد اس شے کو عادت کے طور پر پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن ان کی قدرت کو اس شے کے وجود میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے کہ اس شے کے ساتھ ان صفات کے تعلق کے بعد اس شے کو پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح باقی صفات کو قیاس کر لو۔

جو معلوم عالم کے ساتھ مناسبت نہ رکھتا ہو وہ اس کے علم کی قید میں نہیں آسکتا۔ اور نہ ہی اس کو معلوم ہو سکتا ہے۔ لَا یُدْرَکُ شَیْءٌ بِمَا یُضَادُّہٗ وَیُغَایِرُہٗ (کوئی شے اپنی ضد اور مغائر سے ادراک میں نہیں آسکتی) معقول والوں کا مقررہ قضیہ ہے۔ پس اس کے صفات بھی معلوم نہیں ہو سکتے۔ جس طرح اس کی ذات بیچوں و بیچگون ہے۔ اسی طرح اس کے صفات بھی بیچون و بیچگون ہیں۔ چون و بیچون کی طرف کوئی راہ نہیں۔ یہاں ایک قوی اشکال ہے اور وہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ کے ذات و صفات کا معلوم ہونا ممتنع اور محال ہے۔ تو ان کی معرفت بھی محال ہوگی۔ پھر معرفت کے وجوب کے کیا معنی ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ذات و صفات میں معرفت سے مراد ذات سے تمام نقائص کا سلب ہونا ہے نہ کہ اس کا جاننا۔ مثلاً ذات میں معرفت یہ ہے کہ نہ وہ جسم ہے نہ جوہر نہ عرض۔ اور صفات میں معرفت عدم جہل یا عدم عجز یا عدم کوری یا عدم کثری سے مراد ہے۔ حاصل کلام یہ کہ ان سلوب سے حق تعالیٰ کی ذات و صفات کا وجود مفہوم ہوتا ہے ؎

راز دانانِ بارگاہِ الست جز دریں پے نبردہ اند کہ ہست

ترجمہ:۔ بارگاہ الست کے دانا۔ کچھ نہیں جانتے ہست سوا۔

اگر کوئی کہے کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ ذات پر عالم و قادر وغیرہ کا حکم کیا جاتا ہے اور اس حکم سے ذات کا تصور لازم آتا ہے۔ کیونکہ حکم خواہ ایجابی ہو خواہ سلبی۔ موضوع کے تصور کے بغیر متصور نہیں ہوتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک اس قضیہ میں موضوع کا تصور متحقق ہے۔ لیکن وہ ذات کا متصور نہیں۔ کیونکہ ذات جل شانہٗ اس سے منزہ و برتر ہے۔ لیکن چونکہ یہ تنزیہی تصور ذات سے منتزع یعنی نکلا ہوا معلوم ہوتا ہے اور تمام غیر تنزیہی تصورات کی نسبت ذات کے ساتھ اس کی زیادہ مناسبت ہے اس لئے مجبوراً اس کو ذات کا تصور اعتبار کیا ہے۔ کیونکہ قوائے بشری ذات کے ادراک سے عاجز اور قاصر ہیں۔ حالانکہ ان کو اپنے اپنے احکام کی جو ایک دوسرے سے ممتاز اور ممیز ہیں معرفت کی زیادہ ضرورت ہے۔ بعض محققین متکلمین نے کہا ہے کہ معرفت محدث اور قدیم کے درمیان تمیز کرنے سے مراد ہے۔ شاید اسی وجہ سے حضرت امام المسلمین ابو حنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ سُبْحَانَکَ مَا عَبَدْنَاکَ

حَقَّ عِبَادَتِکَ وَلٰکِنْ عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ (پاک ہے تو ہم سے تیرا حق عبادت ادا نہیں ہو سکا۔ لیکن ہم نے تجھے پہچان لیا جیسے کہ پہچاننے کا حق ہے) پس پاک ہے وُہ ذات جس نے مخلوقات کے لئے اپنی معرفت سے عاجزی کے سوا اور کوئی راستہ نہیں بنایا۔ لیکن وُہ معرفت جو اہل اللہ کے لئے خاص ہے۔ وُہ طالب کی استعداد کے آئینہ کے موافق ہے **مصرعہ**

بقدرِ آئینہ حُسن تو می نماید روُئے

ترجمہ :- اور اس آئینہ کی تنگی اور فراخی اس کے رب کی تنگی اور فراخی کے موافق ہے۔ اور ہر شے کا رب اس شے وجہ خاص اور اس کا قیوم ہے۔ اپنے وجہ خاص کے ماسوا معرفت نہیں ہوتی اور یافت اپنی حقیقت کے باہر متصور نہیں ہوتی۔

ذرہ گر بس نیک و گر بس بد بود گرچہ عمرے تگ زند در خود بود

ترجمہ :- عمر بھر ذرہ رہے گر دوڑتا۔ اپنے تک ہی ہوگی اس کی انتہا۔

خواجہ خواجگان حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ہے۔ کہ اہل اللہ فنا و بقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں۔ اپنے آپ میں دیکھتے ہیں۔ اور جو کچھ ہوتا ہے اپنے آپ میں ہوتا ہے۔ اور ان کی حیرت ان کے اپنے وجود میں ہوتی ہے۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (اور بیچ تمہاری جانوں کے نشان ہیں تم کیوں نہیں دیکھتے) یہ معرفت نفس حیرت ہے۔ ذوالنون مصری قدس سرہ فرماتے ہیں۔ کہ معرفت اللہ تعالٰے کی ذات میں حیرت ہے۔ ایک اور بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ سب سے زیادہ عارف باللہ وہ شخص ہے جو زیادہ حیران اور متحیر ہو۔ اگرچہ اکثر مشائخ قدس سرہم نے ذات صفات کی معرفت میں تصریح کی ہے۔ لیکن اس بے حاصل فقیر کے نزدیک صفات کی معرفت بھی حیرت در حیرت ہے۔ جیسے کہ گذر چکا۔

معرفت :- واجب تعالٰے کا وجود جمہور کے نزدیک اللہ تعالٰے کی ذات پر زائد ہے۔ اور حکما اور شیخ ابو الحسن اشعری اور بعض صوفیہ کے نزدیک ذات کا عین ہے۔ فقیر کے نزدیک حق یہ ہے کہ واجب تعالٰی اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے۔ نہ کہ وجود کے ساتھ۔ یہ خلاف تمام موجودات کے کہ وجود کے ساتھ موجود

ہیں۔ اور وہ وجود جو ذات پر محمول کرتی ہے۔ وہ عقل کا اپنا بنایا ہوا ہے۔ یعنی عقل ذات سے موجود کی وصف کے وجود کو اپنے پاس سے بنا کر ذات پر محمول کرتی ہے۔ اگر متکلمین کی مراد زاید وجود سے یہی عقل کا بنایا ہوا وجود ہے تو اِن کی بات بھی درست ہے اور کسی مخالف کو انکار کی مجال نہیں۔ اور اگر اِن کی مراد وجود سے ایک ایسا وجود ہے۔ جس کے ساتھ واجب تعالےٰ موجود ہے۔ جیسے ان کی ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے تو پھر خدشہ اور تردد کا محل ہے۔ اور اگر حکما اور شیخ ابوالحسن اشعری اور بعض صوفیہ بھی واجب تعالےٰ کو اپنی ذات کے ساتھ موجود کہتے۔ اور وجود کے قائل نہ ہوتے اور اِس کو عین ذات ثابت نہ کرتے اور دلائل کے محتاج نہ ہوتے اور بیہودہ مقدمات کے پیچھے نہ پڑتے تو بہت ہی اچھا تھا۔ اِن صوفیہ سے تعجب آتا ہے کہ حق تعالےٰ کی ذات سے تمام نسبتوں اور اعتباروں کو ساقط کرتے ہیں۔ اور اِن کو تنزلات کے مرتبوں میں درج کرتے ہیں۔ اور وجود کو مرتبہ ذات میں ثابت کرتے ہیں۔ اِس میں سراسر تناقض ہے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ وجود کو عین ذات کہتے ہیں۔ اور نسبتوں اور اعتباروں سے نہیں گنتے۔ میں کہتا ہوں کہ عینیت یعنی عین ہونا باعتبار خارج کے ہے۔ نہ باعتبار ذہن کے۔ تمام صفات اِن کے نزدیک اسی طرح ہیں۔ کہ تعقل میں ذات کے مغائر ہیں اور خارج میں ذات کی عین ہیں۔ کیونکہ اِن کے نزدیک صرف ایک ذات احدیت کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ تمام اعتبارات کو مرتبہ ذات میں ثابت کرتے ہیں۔ اور یہ باطل ہے اور یہ بھی اِس کے برخلاف ہے جس کے معترف اور قائل ہیں۔ جیسے کہ گذر چکا۔ اگر یہ کہیں کہ ذات سے مراد وحدت ہے۔ جو یقین اول ہے اور یقین کو اس مرتبہ میں متعین پر زاید اعتبار نہیں کرتے۔ اس مرتبہ میں بخلاف باقی تمام نسبتوں اور اعتباروں کے وجود کو ثابت کرتے ہیں۔ کیونکہ اِن کا اعتبار مرتبہ واحدیت میں ہے جو ایک درجہ اِس سے نیچے ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس تقریر پر متکلمین کی بات درست نہیں ہوتی۔ کیونکہ متکلمین ذات سے مراد ذات بحت لیتے ہیں۔ جو تمام تعینات سے بالاتر ہے۔ اور وجود کو اس ذات پر زاید جانتے ہیں۔ اور فرق مذکور زیادتی کے دفع کرنے میں کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ زائد ہی ہے خواہ مرتبہ اول میں ہو

خواہ مرتبہ دوم میں۔ ابو المکارم رکن الدین شیخ علاؤ الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ وجود کے عالم کے اوپر ملک الوجود ودود کا عالم ہے۔ اِس عبارت سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ وجود ذات کا غیر ہے۔ بہر حال یہی بہتر ہے کہ واجب تعالےٰ کو اپنی ذات کے ساتھ موجود کہیں اور کسی وجود کے قائل نہ ہوں۔ اور اگر وجود کے قائل ہوں۔ تو دونوں میں مغایرت ثابت ہوگی۔ اور ذات پر اس کی زیادتی کا قائل ہونا پڑے گا۔ اِس تقدیر پر متکلمین کا کلام درست اور صواب کے نزدیک ہے۔ برخلاف مخالفوں کے کلام کے جو واجب تعالےٰ کے وجود کی بداہت کو چھوڑ کر اس کی نظریت کے قائل ہیں۔ اور امام غزالی اور امام رازی اس کی بداہت کا اقرار کرتے ہیں۔ اور بعض متاخرین نے تمام قوانین میں کہا ہے کہ بعض کی نسبت بدیہی ہے اور بعض دوسروں کی نسبت نظری۔ اِس فقیر کے نزدیک حق یہ ہے کہ مطلق اور عام طور پر بدیہی ہے اور بعض کی نسبت اِس کا مخفی ہونا بداہت کے منافی نہیں۔ کیونکہ بداہت علم کی مستلزم نہیں۔ بلکہ بہت سے عقلمندوں نے بعض بڑی بڑی بدیہی باتوں کا انکار کر دیا۔ اور وُہ دلائل جو واجب تعالےٰ کے وجود کے ثابت کرنے کے لئے لائے ہیں۔ سب بدیہی پر تنبیہہ کی قسم سے ہیں۔ جس طرح محسوسات کے ادراک میں ظاہری آفات سے حس کی سلامتی شرط ہے۔ اور اس آفت کے ہونے کے باعث محسوسات کے ادراک کا نہ ہونا اس کی بداہت کے منافی نہیں۔ اِسی طرح معقولہ کے ادراک میں باطنی آفات اور خفیہ اَمراض سے مدرکہ کا سلامت ہونا شرط ہے۔ اور اُس آفت کے باعث اس کا ادراک میں نہ آنا اس کی بداہت کے منافی نہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے اِس کی بداہت کا یقین کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ اِن کے حال سے خبر دیتا ہے۔ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ (ان کے رسولوں نے کہا کہ کیا اللہ تعالےٰ میں شک ہے) چونکہ یہ بات بعض بے سمجھوں پر واضح اور ظاہر نہ تھی اِس لئے اس کے بعد تنبیہہ کے طور پر فرمایا ہے کہ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (زمین اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا)۔

معرفت۔ اہل حق لوگ صفات کے وجود کے قائل ہیں۔ اور اِن کے وجود کو ذات کے وجود پر زائد جانتے ہیں۔ یعنی حق تعالےٰ کو عالم بعلم اور قادر بقدرت کہتے ہیں۔ دوسری صفات کو بھی اسی طرح جانتے ہیں۔ لیکن معتزلہ اور شیعہ اور حکماء

صفات کی نفی کے قائل ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ جو چیز صفات پر مترتب ہوتی ہے۔ نفس ذات پر مترتب ہوتی ہے۔ مثلاً انکشاف مخلوقات میں علم کی صفت پر مترتب ہے اور واجب تعالےٰ میں اس انکشاف کو ذات جل شانہٗ پر مترتب کہتے ہیں۔ پس ذات اس اعتبار سے علم کی حقیقت ہے۔ اسی طرح قدرت اور باقی صفات کا حال ہے۔ اور بعض متاخرین صوفیہ جو وحدت وجود کے قائل ہیں۔ صفات کی نفی میں حکماء اور معتزلہ کے ساتھ موافق ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ صوفیہ مذکورہ صفات کو مفہوم اور تعقل کے موافق ذات کا غیر کہتے ہیں۔ اور محقق یعنی وجود خارجی کے موافق ذات کا عین پس ان کا مذہب حکما اور متکلمین کے مذہب کے درمیان وسط اور بین بین ہوگا۔ کیونکہ حکما مطلق طور پر عین کہتے ہیں اور متکلمین غیر۔ اور صیغہ خارج کے موافق عین اور مفہوم کے مطابق غیر کہتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نہیں مانتے کہ حکما تعقل اور مفہوم کے موافق بھی عین ذات کہتے ہیں۔ بلکہ نزاع وجود خارجی میں ہے نہ کہ وجود ذہنی میں۔ صاحب مواقف نے تصریح کی ہے کہ متکلمین صفات کو ذات پر وجود زائد کے ساتھ خارج میں موجود جانتے ہیں۔ اور صوفیہ مذکورہ بھی اس مسئلہ میں قطعی طور پر حکما اور معتزلہ کے ساتھ متفق ہیں۔ لیکن یہ لوگ اس مسئلہ میں فرق مذکورہ کے ساتھ اپنے آپ کو حکما اور معتزلہ سے الگ کرتے ہیں۔ اور صفات کی نفی سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ فرق مذکورہ ان کو کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ ان کا شیخ ورئیس کہتا ہے کہ بعض لوگ صفات کی نفی کی طرف گئے ہیں۔ حالانکہ انبیا اور اولیا کا ذوق ان کے برخلاف شہادت دیتا ہے۔ اور بعض لوگوں نے صفات کو ثابت کیا ہے۔ اور حکم کیا ہے۔ کہ ذہن اور خارج میں صفات ذات کی غیر ہیں، یہ بات محض کفر اور خالص شرک ہے۔ اور ان میں سے بعض نے کہا ہے۔ کہ جس نے ذات کو ثابت کیا اور صفات کو ثابت نہ کیا وہ جاہل بدعتی ہے۔ اور جس نے صفات کو ذات کا غیر ثابت کیا وہ بت پرست کافر ہے۔ اور کافر ہونے کے علاوہ جاہل بھی ہے۔ یہ کلام ثبت نفی مطلق اور اثبات مطلق کے درمیان واسطہ ہے۔ نفی مطلق سے حکیم مراد لیتے ہیں اور ثبت مطلق سے متکلم ارادہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ یہ واسطہ نہیں۔ بلکہ یہ لوگ نفی کرنے والوں میں داخل ہیں

اِن کے حال پر تعجب آتا ہے۔ کہ صرف اپنے کشف پر بھروسہ کر کے اس اعتقاد کو جس پر تمام اہل سنت وجماعت کا اتفاق اور اجماع ہے خطا دار اور بُرا جانتے ہیں اور اس اعتقاد والوں کو کافر اور بُت پرست کہتے ہیں۔ اگرچہ حقیقی کفر اور شرک مراد نہیں لیتے لیکن اعتقاد درست میں اس لفظ کا اطلاق کرنا بہت ہی بُرا ہے کشف میں بیشمار غلطیاں کر جاتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ شاید یہ کشف بھی اسی قسم سے ہو اور اعتقاد صحیح کے مخالف ہو۔ اس مسئلہ میں اس فقیر نے ایک مستقل مقالہ لکھا ہے اور وہ یہ کہ حق تعالےٰ کی ذات ان تمام امور میں جو صفات پر مترتب ہوتے ہیں کافی ہے۔ نہ اس طرح کہ جیسے کہ معقول والوں نے کہا ہے۔ کہ کشف جس طرح علم کی صفت پر مترتب ہے ذات پر بھی مترتب ہوتا ہے۔ بلکہ اس طرح پر کہ حق تعالیٰ کی ذات کامل اور مستقل اور تمام طور پر سب کام کرتی ہے۔ مثلاً جو کام علم اور دانش سے کرنا پڑتا ہے۔ اس کام کو حق تعالےٰ کی ذات علم کی صفت کے بغیر کر دیتی ہے۔ اسی طرح جو چیز قدرت کی تاثیر سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس صفت کے بغیر حق تعالےٰ کی ذات اس کے ظہور کے لئے کافی ہے۔ ہم ایک آسان مثال بیان کرتے ہیں۔ جس سے یہ بات جلدی سمجھ میں آ جائے۔ مثلاً فرض کرو کہ ایک پتھر ہے۔ جو اپنے طبعی طور پر اوپر سے نیچے آتا ہے۔ اس کی ذات علم و قدرت و ارادت کا کام کرتی ہے بغیر اس بات کے کہ اس میں علم و قدرت و ارادت کی صفت ہو۔ یعنی علم اس امر کو چاہتا ہے۔ کہ پتھر بھاری ہونے کے باعث نیچے کی طرف متوجہ ہو۔ اور اوپر کی طرف میلان نہ کرے۔ اور ارادہ علم کے تابع ہے۔ ارادہ چاہتا ہے۔ کہ نیچے کی طرف کو ترجیح دے۔ اور قدرت حرکت کو چاہتی ہے۔ پس پتھر کی طبیعت ان صفات کے اعتبار کے بغیر ان سب صفتوں کا کام کر دیتی ہے۔ پس واجب تعالےٰ کی ذات بھی جس کے شان میں وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلیٰ (مثال اعلیٰ اللہ تعالےٰ کے لئے ہے) آیا ہے۔ سب صفات کا کام کرتی ہے۔ اور ان امور کے مترتب ہونے میں صفات کی محتاج نہیں۔ ہاں انکشاف اور تاثیر اور تخصیص علم اور قدرت اور ارادت کی صفت پر مترتب ہے۔ یعنی علم کے ساتھ داناہے نہ کہ ذات کے ساتھ۔ قدرت کے ساتھ مؤثر اور ارادہ کے ساتھ

مختص ہے۔ اگرچہ جو کچھ ان صفات کے ساتھ کرنا پڑتا ہے۔ اس کے لئے ذات جل شانہ' کافی ہے۔ لیکن یہ امور صفات پر مترتب ہیں۔ ذات کو ان امور کے وجود کے بغیر عالم و قادر و مرید نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً اگر اسی پتھر میں علم و قدرت و ارادہ کی صفت ایجاد کریں۔ تو اس پتھر کو علیم و قدیر و مرید کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ان زاید امور کے وجود کے بغیر ان صفات کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ ان صفات کا کام کر لیتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اس میں ان امور کا وجود اس کے کمال کا موجب ہے پس واجب تعالےٰ کی ذات اگرچہ ان تمام اشیاء میں جو صفات پر مترتب نہیں کافی ہے لیکن ثبوت نفس کے لئے یہ معانی کاملہ درکار ہیں۔ اور ذات جل شانہ' ان معانی کے وجود سے صفات کمال کے ساتھ متصف ہو جاتی ہے۔ اگرچہ کوئی کہے کہ اس تقدیر پر ذات کا استکمال ان صفات کے ساتھ جو ذات کے مغائر میں لازم آتا ہے۔ اور اس سے ذات کا نقص اور غیر سے اس کا کمال حاصل کرنا لازم آتا ہے۔ اور یہ محال ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ غیر سے صفت کمال استفادہ محال ہے نہ کہ بذات خود صفت کمال سے متصف ہونا اگرچہ وُہ صفت غیر ہو۔ اور متکلمین کا مذہب شق ثانی ہے نہ کہ اوّل۔ جیسے کہ سید بزرگ نے شرح مواقف میں تحقیق کی ہے +

معرفت۔ حق تعالےٰ نے اپنی ذات و صفات میں یگانہ ہے۔ اس کی ذات صفات مخلوقات کی ذات و صفات کے مخالف ہیں۔ کسی طرح بھی ان کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتے۔ پس اللہ تعالےٰ مثل یعنی مماثل اور مانند اور ند یعنی مماثل مخالف اور شریک سے منزہ ہے۔ اس کے معبود اور صانع اور واجب ہونے میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور بعض صوفیہ جو وحدت وجود کے قائل ہیں۔ وُہ بھی موجودیت میں شریک کی نفی کرتے ہیں اور حق تعالےٰ کے غیر کو موجود نہیں جانتے۔ اس بات پر ان کا اپنا ہی کشف شاہد ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ ان لوگوں کے اس کلام سے دین کے بہت سے اصولوں کا گرنا لازم آتا ہے۔ ان لوگوں نے دین کے اصول کے ساتھ اپنے بعض اصول کو مطابق کرنے میں بڑے بڑے تکلف کئے ہیں۔ لیکن ان کی مطابقت میں کلام ہے۔ اور بعض تو بالکل دینی اصول کے ساتھ مطابقت کے قابل نہیں۔ جیسے کہ واجب تعالےٰ کی صفات کی نفی کے

بحث وغیرہ وہ حق تعالےٰ کسی جہت میں نہیں نہ مکانی ہے نہ زمانی۔ اللہ تعالےٰ کے قول الرَّحمٰنُ عَلیٰ العَرشِ اِستَوَایٰ سے اگرچہ جہت و مکان کے ثبوت کا وہم گذرتا ہے۔ لیکن یہ قول حقیقت میں جہت و مکان کی نفی کرتا ہے۔ کیونکہ جہت و مکان جس کا ذکر کر رہے ہیں ثابت کرتا ہے کہ وہ کسی جہت و مکان میں نہیں۔ اور اس کی بیچگونی اور بے مکانی کی طرف اشارہ ہے حق تعالےٰ جسم و جسمانی نہیں۔ جوہر اور عرض نہیں۔ کسی اشارہ کے قابل نہیں۔ حرکت و انتقال اس پر درست نہیں۔ اس کی قدیم ذات پر حوادث کا قیام جائز نہیں۔ محسوسہ اور معقولہ اعراض میں سے کسی عرض کے ساتھ متصف نہیں۔ نہ عالم سے خارج ہے نہ عالم سے متصل نہ منفصل۔ عالم کے ساتھ اس کی معیت معیت علمی ہے نہ ذاتی۔ عالم پر اس کا احاطہ علم کے ساتھ ہے نہ کہ ذات کے ساتھ۔ کسی شے میں حلول نہیں کرتا۔ کسی شے کے ساتھ متحد نہیں ہوتا اگر کوئی سوال کرے کہ بعض صوفیہ جو احاطہ اور معیت ذاتی کے قائل ہیں۔ اس سے ان کی مراد کیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ذات سے ان کی مراد تعین اول ہے جو وحدت ہے۔ کیونکہ تعین کو اس مرتبہ میں ذات پر زائد اعتبار نہیں کرتے یہی وجہ ہے۔ کہ اس مرتبہ کے ظہور کو تجلی ذاتی کہتے ہیں اور اسی تعین کو تمام اشیاء میں سرایت کیا ہوا جانتے ہیں اور اسی سریان کو احاطہ و معیت ذاتی کہتے ہیں اور متکلمین ذات سے مراد ذات بحت لیتے ہیں۔ جو تمام تعینات سے بالاتر ہے اور خواہ کوئی تعین ہو اس کو ذات پر زائد جانتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس ذات کی عالم کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ کیا احاطہ کیا معیت کیا اتصال یا انفصال پس جس طرح حق تعالیٰ کی ذات کسی طرح علم میں نہیں آتی اور مجہول مطلق ہے اسی طرح اس کی نسبت بھی عالم کے ساتھ مجہول مطلق ہے۔ اس کو متصل و منفصل و محیط و ساری کہنا جہالت ہے۔ متکلم وغیرہ اس حکم میں متفق ہیں۔ لیکن متکلم کی نظر جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے نور کا سرمہ پڑا ہے۔ صوفی کی نظر سے جو احاطہ ذاتی کا قائل ہے۔ اور جس کے ادراک کا منشا کشف ہے۔ بہت ہی باریک اور دقیق ہے۔ ہر ایک نے اپنے اپنے ادراک کے مطابق حکم کیا ہے۔ وہ تمام اختلافات جو متکلمین اور بعض متاخرین صوفیہ کے درمیان ہیں۔ ان سب کا حال

اسی طرح ہے لیکن حق متکلمین کی جانب ہے۔ اِن صوفیوں کی نظر کوتاہ ہے۔ انہوں نے متکلمین کی کلام کی حقیقت کو معلوم نہیں کیا ؎

معرفت۔ حق تعالےٰ ذات پر زائد علم کے ساتھ تمام معلومات کا عالم ہے۔ خواہ وُہ معلوم واجب ہو یا ممکن اور علم ذاتی حقیقی صفت ہے۔ جس کا تعلق معلوم کے ساتھ ہے۔ جس طرح واجب تعالےٰ میں اِس صفت کی کیفیت معلوم نہیں۔ جیسے کہ گذر چکا۔ اسی طرح معلومات کے ساتھ اِس کا تعلق بھی معلوم نہیں۔ البتہ اس قدر ادراک میں آتا ہے کہ وُہ تعلق معلوم کے انکشاف کا سبب ہے۔ بہت لوگوں نے جب اِس حقیقت پر اطلاع نہ پائی اَور غائب کو شاہد و حاضر پر قیاس کیا تو نہایت اضطراب اور حیرت میں رہ گئے۔ اور قدرت و ارادت ذات پر صفات زائدہ ہیں۔ قدرت عالم کی ایجاد کی صحت اور اِس ایجاد کی ترک کی صحت سے مراد ہے۔ پس ایجاد و ترک میں سے کوئی بھی حق تعالےٰ کی ذات کو لازم نہیں۔ تمام اہل ملت کا اسی پر اتفاق ہے۔ لیکن فلاسفہ کہتے ہیں کہ عالم کا ایجاد جس طرح پر کہ واقع ہے حق تعالیٰ کی ذات کے لوازم سے ہے۔ پس اُنہوں نے قدرت کا اِن معنوں میں انکار کیا ہے۔ اَور گمان کرتے ہیں۔ کہ قدرت معنی مذکور میں نقص ہے۔ انہوں نے ایجاب کو ثابت کیا ہے۔ اِس خیال سے کہ ایجاب کی کمال ہے۔ اَور قدرت کے اِن معنوں میں قائل ہیں کہ اِنْ شَاءَ فَعَلَ وَ اِنْ لَمْ یَشَاءُ لَمْ یَفْعَلْ (اگر چاہا کیا اور اگر نہ چاہا تو نہ کیا) اِن معنوں میں اہل اسلام کے ساتھ متفق ہیں۔ لیکن مقدمہ شرطیہ اُولیٰ کو واجب الصدق جانتے ہیں اور مقدمہ شرطیہ ثانیہ کو ممتنع الصدق کہتے ہیں۔ اور دونوں شرطیہ کو واجب تعالےٰ کے حق صادق کہتے ہیں۔ نیز اہل فلسفہ ارادت کو علم زائد نہیں جانتے۔ کہتے ہیں کہ نفس علم کی ارادت نظام اکمل کے باعث ہے۔ جس کو عنایت کہتے ہیں۔ بعض متاخرین صوفیہ بھی قدرت کے اِن معنوں میں فلاسفہ کے ساتھ موافق ہیں۔ اور مقدمہ شرطیہ ثانیہ کو ممتنع الصدق کہتے ہیں اور اپنے مذہب کو فلاسفہ کے مذہب سے اِس طرح جُدا کرتے ہیں کہ فلاسفہ ارادت کے قائل نہیں۔ اِس کو نفس علم جانتے ہیں۔ اور صوفیہ قدرت کے معنی مذکور کے باوجود ارادت کو علم پر زائد ثابت کرتے ہیں۔ اور حق تعالےٰ کو مرید کہتے ہیں۔ نہ موجب

برخلاف حکماء کے جو ایجاب کے قائل ہیں اور ارادت کی نفی کرتے ہیں۔ اِس حقیر کو اِس میں شبہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ارادہ وجود یا عدم کے ساتھ مقدوریں کی تخصیص ہے۔ جب دوسری جز ممتنع الصدق ہے اور پہلی جز واجب الصدق تو پھر اثبات کس کے لئے ہو گا۔ کیونکہ تخصیص اور ترجیح جو ارادت کا حاصل ہے دو متساوی چیزوں میں ہوتی ہے۔ پس جہاں تساوی اور مساوات نہیں وہاں ترجیح بھی نہیں۔ وہاں ارادہ بھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حکماء نے جب طرفین کے مساوی ہونے سے انکار کیا تو ارادت کو ثابت نہ کیا۔ اور ارادت کو لاحاصل اور بیفائدہ خیال کیا۔ حکماء اپنے کلام میں محقق ہیں۔ پس صوفیہ مذکورہ جنہوں نے عالم کے وجود و عدم کے مساوی نہ ہونے کے باوجود ارادت کو ثابت کیا ہے۔ اور اثبات کے ساتھ حکماء جدا ہو گئے ہیں۔ اور اسی قدر سے حق تعالےٰ کو مرید اور مختار کہتے ہیں۔ لیکن اِن کے کلام کا حاصل اِس فرق میں ظاہر نہیں۔ ان کا مذہب بعینہٖ حکماء کا مذہب ہے۔ واجب تعالےٰ کے اختیار کی نفی اور ارادت کے ثابت کرنے میں تقول محض اور تفوہ صرف یعنی نری زبانی بات ہی بات اور ڈھکوسلا ہے وَاللّٰہُ یُحِقُّ الْحَقَّ وَیَھْدِی السَّبِیْلَ (اللہ تعالےٰ حق ثابت کرتا ہے اور وہی راہ راست کی ہدایت دیتا ہے) اور اگر کوئی کہے کہ صوفیہ مذکورہ عالم کے وجود کو حق تعالےٰ کی ذات کے لازم نہیں جانتے۔ اور واجب تعالےٰ سے عالم کے صدور کو ارادت کے ساتھ مانتے ہیں۔ تو مَیں کہتا ہوں کہ جب مقدمہ شرطیہ ثانیہ یعنی وجود عالم کی ارادت کا عدم ممتنع ہے۔ اور وجود عالم کی ارادت واجب۔ تو ارادت کا جو دو برابر چیزوں میں سے ایک کو ترجیح دینے والی ہے۔ وجود عالم میں کوئی دخل نہ ہوا۔ سوائے اس کے کہ صرف اسم ارادت کا اطلاق اِس پر ہوا۔ اور حکماء بھی اِس قدر ارادت کے قائل ہیں پس ایجاب کے دفع کرنے میں ارادت کی اس قسم کا اثبات فائدہ نہیں کرتا۔ اور وجود وعدم کے مساوی نہ ہونے سے حق تعالےٰ کا ایجاب لازم آتا ہے۔ جیسے کہ گذر چکا۔

معرفت۔ شیونات آلٰہی حق تعالےٰ کی ذات کی فرع ہیں۔ اور صفات شیونات کی فرع اور اسماء مثل خالق اور رازق وغیرہ صفات کی فرع اور افعالی اسماء فرع ہیں۔

اور تمام موجودات افعال کے نتیجے اور ان کی فروع ہیں۔ واللہ اعلم۔ پس معلوم ہوا کہ شیون اور ہیں اور صفات اور۔ پہلے خارج میں عین ذات ہیں۔ اور دوسرے خارج میں ذات پر زائد ہیں۔ اور جس شخص نے اس فرق پر اطلاع نہیں پائی۔ اس نے خیال کیا ہے کہ شیون صفات ہی ہیں۔ اس لئے اس نے حکم کیا ہے۔ کہ صفات ذات کی عین ہیں جیسے کہ شیون خارج میں ذات کے عین ہیں۔ اس سے صفات کی نفی اور اہل حق کے اجماع کا انکار لازم آتا ہے۔ جو خارج میں ذات پر صفات کے وجود زائد کے قائل ہیں۔ وَاللّٰهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ (اللہ تعالے حق ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے)۔

معرفت۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (اس جیسی کوئی شے نہیں وہی سمیع اور بصیر ہے) اس آیت میں اللہ تعالے نے بہت ہی اچھی طرح اپنی مماثلت اور مشابہت کی نفی کی ہے۔ کیونکہ اس میں اپنے مثل کے مثل کی نفی کی ہے۔ حالانکہ مقصود اپنے مثل کی نفی تھا۔ یعنی جب اس کے مثل کی مثل نہیں۔ تو اس کی مثل بطریق اولیٰ نہ ہوگی۔ پس کنایہ کے طور پر اصل مثل کی نفی ہوگئی جو تصریح سے زیادہ ابلغ اور مفید ہے۔ جیسے کہ علماء بیان کے نزدیک مقرر ہے۔ اس کے بعد وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ فرمایا ہے۔ اس میں صفات کی مماثلت کی ہے جیسے کہ پہلے حصہ میں ذات کی مماثلت کی نفی ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ حق تعالے ہی سمیع و بصیر ہے۔ اور اس کے غیر کے لئے سمع اور بصر نہیں۔ باقی صفات یعنے حیات و علم و قدرت و ارادت و کلام کا بھی یہی حال ہے۔ پس مخلوقات میں صفات کی صورت ہے نہ کہ ان کی حقیقت۔ مثلاً علم ایک صفت ہے۔ جس کے سبب انکشاف حاصل ہوتا ہے۔ اور قدرت بھی صفت ہے جس کے ذریعے افعال و آثار صادر ہوتے ہیں۔ مخلوقات میں یہ صفات نہیں بلکہ حق تعالے اپنی کمال قدرت کے ساتھ ان میں انکشاف پیدا کر دیتا ہے۔ بغیر اس بات کے کہ انکشاف کا مبدء جو علم کی صفت ہے ان میں موجود ہو۔ اسی طرح افعال ان میں پیدا کر دیتا ہے۔ بغیر اس بات کے کہ قدرت ان میں ثابت ہو۔ صفت سماع و رویت کا بھی یہی حال ہے۔ کہ ان میں اللہ تعالے سمع اور رویت پیدا کر دیتا ہے۔ بغیر اس بات

کے کہ سامعہ اور باصرہ کی صفت رکھتے ہوں۔ اور حس و حرکت ارادی سے حیات کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ حیات رکھتے ہوں اور کلام پیدا کر دیتی ہے۔ بغیر اس کے کہ تکلم کی قوت پیدا کریں۔ حاصل کلام یہ کہ ان صفات کے آثار کے ساتھ متحقق ہونے کے باعث جو اللہ تعالےٰ ان میں پیدا کر دیتا ہے۔ ان پر صفات کا اطلاق کیا جاتا ہے بغیر اس کے کہ صفات کی حقیقت ان میں ثابت ہو۔ پس مخلوقات سب کی سب چند جمادات ہیں جو بے حس و حرکت ہیں۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (تو بھی مرنے والا ہے۔ اور وہ بھی مرنے والے ہیں) اس بات کی مصداق ہے۔ اس بحث کو ہم ایک مثال سے ظاہر کرتے ہیں کہ جس طرح کوئی شعبدہ باز لکڑی یا کاغذ کی کوئی صورت بنا کر آپ پردہ میں بیٹھ کر اس کو حرکت میں لاتا ہے اور عجیب و غریب حرکات اس سے ظاہر کرتا ہے۔ احمق لوگ جانتے ہیں کہ یہ صورت اپنی قدرت و اختیار سے حرکت کرتی ہے۔ پس اس سے حرکات کے صادر ہونے کے باعث بظاہر وہم گذرتا ہے کہ اس میں قدرت و ارادت ثابت ہے۔ حالانکہ در حقیقت اس میں نہ قدرت ہے نہ ارادہ۔ اسی طرح وہم گذرتا ہے کہ حیات بھی رکھتی ہے۔ کیونکہ حیات کے آثار بھی اس کو حاصل ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہم گذرتا ہے کہ علم بھی رکھتی ہے۔ کیونکہ ارادہ علم کے تابع ہے۔ اگر بالفرض اس میں کلام بھی ایجاد کر دے۔ تو کہتے ہیں کہ کلام بھی رکھتی ہے جیسے کہ سامری کا گوسالہ یعنی بچھڑا۔ جو آواز کرتا تھا۔ حالانکہ اس میں کوئی صفت کلام نہ تھی۔ لیکن وہ لوگ جن کی چشمِ بصیرت دو بینی کے پردہ سے پاک ہو چکی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ یہ صورت جماد محض ہے۔ ان صفات میں سے کوئی صفت بھی نہیں رکھتی۔ وہ صانع ہی ہے جو ان حرکات و آثار کو ان میں ایجاد کرتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے ان افعال و حرکات کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں نہ کہ صانع کی طرف۔ مثلاً کہتے ہیں کہ صورت متحرک ہے۔ یہ نہیں کہتے کہ صانع متحرک ہے۔ بلکہ یوں کہتے ہیں کہ حرکت کا خالق ہے۔ پس مَنْ يَّلْتَذُّ وَمَنْ يَّتَاَلَّمُ (کون لذت پاتا اور الم اٹھاتا ہے) کی کوئی گنجائش نہیں۔ جیسے کہ بعض صوفیہ نے کہا ہے۔ اور لذت والم کو حق تعالےٰ کی طرف منسوب کیا ہے حاشا وکلا۔ اللہ تعالےٰ لذت والم کا خالق ہے۔ لذت والم سے متاثر نہیں ہوتا۔ اور ملتذ و متالم نہیں کہہ سکتے۔ پس جب صفات کی حقیقت

اِن سے متنفی ہے۔ تو ذات کی حقیقت بھی اِن سے متنفی ہوگی۔ کیونکہ ذات وُہ ہے
جو بنفسہٖ اور خود بخود قائم ہو۔ اور دوسری اشیاء کا قیام اس کے ساتھ ہو۔ اور ان
صفات کے آثار کا مبدء ہو اور اوپر کی تحقیق سے معلوم ہو چکا ہے کہ ان صفات
کے آثار کا پیدا کرنے والا صفات و ذات کے واسطہ کے بغیر وہی جل شانہ ہے۔
پس ذات ان آثار کے ایجاد کا محل ہے۔ پس ذات کی حقیقت بھی ان سے متنفی
ہوگی۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا
ہے) میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی آدم کو اپنی ذات و صفات کی صورت پر
پیدا کیا۔ پس ثابت ہوا کہ نہ اس کی ذات کی مثل ہے نہ اس کی صفات کی۔ اللہ تعالیٰ کا
قول وھو السمیع البصیر پوری پوری تنزیہہ ظاہر کرتا ہے۔ اور مماثلت اور مشابہت
کی نفی کو کامل کرتا ہے نہ یہ کہ تنزیہہ کے منافی ہے۔ اور تشبیہہ کو ثابت کرتا ہے۔ یعنی
وُہ سمع و بصر جو مخلوقات میں ہے ویسی ہی سمع و بصر حق تعالیٰ کے لئے ہے۔ نہیں
بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ مخلوقات میں نہ سمع ہے نہ بصر۔ بلکہ مخلوقات میں سمع و بصر
کو اللہ تعالیٰ نے سمع و بصر کی صفت کے بغیر پیدا کیا ہے۔ باقی صفات کا بھی
یہی حال ہے۔ کیونکہ اِن دونوں صفات کی نفی سے حالانکہ ان دونوں کا ثبوت و ظہور
ظاہر ہے۔ صریح طور پر باقی صفات کی نفی لازم آتی ہے۔ جیسے کہ ظاہر ہے پس ثابت ہوا
کہ نہ اس کی ذات کو پہچان سکتے ہیں نہ اس کی صفات کو۔ آدمی جس طرح حق تعالیٰ کی ذات
کی معرفت میں عاجز ہے۔ اسی طرح اس کی صفات کی معرفت میں بھی عاجز ہے۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

معرفت۔ جاننا چاہئے کہ ولایت خاصہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اِن مجذوب
سالکوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کو مراد کہتے ہیں۔ اور مریدوں کو اپنی اپنی استعداد
کے موافق اس سے کچھ حصہ حاصل نہیں اور مریدوں سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جن کا
سلوک اِن کے جذب پر مقدم ہے۔ ہاں اگر مراد محبوب کسی مرید محب کی تربیت کرے۔
اور ان میں تصرف کرے۔ اور اپنی کمال تصرف کے ساتھ اس کو اپنے جذبہ کی طرف
کھینچ لائے۔ تو اس کو اس ولایت خاصہ محمدیہ سے حصہ مل جاتا ہے۔ جیسے کہ حضرت
امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال تھا۔ کیونکہ حضرت امیر رضی اللہ

عنہ سالک مجذوب تھے۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمال تصرف و جذب کے ساتھ ولایت خاصہ محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچ گئے تھے۔ برخلاف خلفاء ثلثہ جو ان سے پہلے ہوئے ہیں۔ کیونکہ ان کا جذبہ سلوک پر مقدم تھا۔ جیسے کہ حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حال تھا۔ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جذبہ سلوک پر مقدم تھا۔ اس سے کوئی یہ وہم نہ کرے۔ کہ ہر ایک مجذوب سالک اس ولایت تک پہنچ جاتا ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ اگر ہزار میں سے ایک بھی بے شمار زمانوں کے بعد اس ولایت تک پہنچ جائے۔ تو اس کا وجود غنیمت ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالےٰ بڑے فضل والا ہے) وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ ❖

معرفت۔ سالک مجذوب، مجذوب سالک کی نسبت معرفت میں زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن محبت میں اس کے برعکس ہوتا ہے۔ یعنی مجذوب سالک سالک مجذوب کی نسبت محبت میں زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ ابتدا سے اخیر تک خاص محبت کے ساتھ مجذوب سالک کی تربیت کرتا ہے۔ اور خاص عنایت سے اس کو اپنی جناب کی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اور معرفت سے وہ معرفت مراد ہے۔ جو تجلیات افعالیہ یعنی اشیاء کو نیہ اور صفات اضافیہ الٰہیہ کی معرفت کے ساتھ متعلق ہے۔ لیکن وہ معرفت جو ذات تعالےٰ کے ساتھ متعلق ہے۔ وہ حیرت پر مشتمل ہے اور وہ معرفت جو صفات ذاتیہ موجودہ اور شیون ذاتیہ اعتباریہ کے ساتھ متعلق ہے۔ مجذوب سالک اس کا زیادہ حقدار ہوتا ہے۔ اور اس کی تفصیل سے اچھا واقف ہوتا ہے۔ لیکن وہ معرفت جو مقامات عشرہ یعنی زہد و توکل و صبر و رضا وغیرہ کے ساتھ متعلق ہے۔ سالک مجذوب اس کا زیادہ حقدار ہوتا ہے۔ اور اس کی تفصیل سے بہتر واقف ہوتا ہے۔ لیکن ان مقامات کو مفصل طور پر قطع کرتا ہے۔ اور درجہ بدرجہ ترقی کرتا ہے۔ اور ہر ایک مقام کے دقائق کو مفصل طور پر جانتا ہے۔ جن کو مجذوب سالک نہیں جانتا۔ کیونکہ یہ مقامات اس کے ضمن میں مجمل ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک مقام کا زبدہ اور خلاصہ اس کو حاصل

ہوتا ہے۔ جو سالک مجذوب کو حاصل نہیں ہوتا۔ پس سالک مجذوب ظاہر اور صورت کے اعتبار سے مقامات میں اتم ہوتا ہے۔ اور مجذوب سالک زبدہ اور خلاصہ کے اعتبار سے اتم اکمل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ صورت کی طرف دیکھنے والوں نے گمان کیا ہے کہ اول شخص مقامات زہد و توکل و صبر و رضا میں دوسرے کی نسبت زیادہ کامل و اکمل ہے۔ اور نہیں جانتے کہ دوسرے کی رغبت کمال زہد کے منافی نہیں۔ اسی طرح اسباب کے ساتھ اس کا تعلق کمال توکل کے منافی نہیں اور اس میں کراہت کا پایا جانا رضا کے منافی نہیں۔ کیونکہ اس کی رغبت اللہ تعالےٰ کے لئے ہے۔ اور اسباب کے ساتھ اس کا تعلق بھی اللہ تعالےٰ ہی کے لئے ہے۔ اسی طرح کراہت بھی اس میں اللہ تعالےٰ ہی کے لئے ہے۔ کیونکہ یہ اوصاف اس میں خالص اللہ تعالےٰ کے لئے ہیں۔ دنیا میں رغبت بھی اللہ تعالےٰ ہی کے لئے کرتا ہے نہ کہ اور کے لئے۔ اگرچہ اس کی رغبت اس کے اپنے نفس کے لئے ہو۔ پس جب اس کا نفس بھی اللہ تعالےٰ کے لئے ہی ہے تو اس کی رغبت بھی حقیقت میں اللہ تعالےٰ کے لئے ہوگی +

معرفت۔ لا الٰہ الا اللہ کے ذکر سے مقصود باطل اور جھوٹے خداؤں کی نفی ہے۔ خواہ وہ خدا آفاقی ہوں خواہ نفسی۔ آفاقی یعنی بیرونی معبود کا فرون اور ناجروں کے جھوٹے معبود یعنی لات و عزیٰ وغیرہ سے مراد ہے۔ اور انفسی یعنی باطنی معبود نفسانی خواہشوں سے مراد ہے۔ جیسے اللہ تعالےٰ نے فرماتا ہے۔ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (کیا تو نے وہ شخص دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا ہے) تصدیق قلبی ایمانی جس کے ساتھ ظاہر شریعت نے تکلیف فرمائی ہے آفاقی باطل معبودوں کی نفی کے لئے کافی ہے۔ لیکن انفسی باطل معبودوں کے نفی کے لئے نفس امارہ کا تزکیہ ضروری ہے جو اہل اللہ کے طریق کے سلوک کا حاصل ہے۔ اور ایمان حقیقی ان دونوں قسم کے باطل معبودوں کی نفی پر وابستہ ہیں۔ لیکن ایمان کے ساتھ ظاہر شریعت کے حکم سے صرف آفاقی باطل معبودوں کی نفی حاصل ہوجاتی ہے۔ اس قسم کا ایمان ایمان کی صورت ہے۔ ایمان کی حقیقت انفسی باطل معبودوں کی نفی پر وابستہ ہے۔ ایمان کی صورت کے لئے زوال کا

احتمال ہے۔ لیکن ایمان کی حقیقت اس احتمال سے محفوظ ہے۔ کیونکہ ایمان کی صورت میں نفس امارہ ابھی اپنے انکار اور کفر کو نہیں چھوڑتا۔ صرف اس قدر ہوتا ہے۔ کہ نفس امارہ کی سرکشی کے باوجود قلب میں تصدیق حاصل ہوتی ہے۔ اور ایمان حقیقی میں نفس امارہ جو بالذات سرکش ہے۔ منقاد اور فرمانبردار ہو جاتا ہے۔ اور اپنی سرکشی کو چھوڑ کر ایمان سے مشرف ہو جاتا ہے اور شرعی تکلیفوں سے مقصود بھی نفس کا عاجز اور خراب ہونا ہے۔ کیونکہ قلب فی نفسہ احکام الٰہی کا فرمانبردار ہے۔ جو حیرت قلب میں پیدا ہوتا ہے وہ نفس کی ہمنشینی کے باعث پیدا ہوتا ہے ؎

تواضع زگردن فرازاں نکوست گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

ترجمہ:۔ تواضع امیروں سے لگتی ہے اچھی۔ کریں گر گدا تو ہے عادت یہ ان کی

پس تزکیہ نفس ضروری ہے۔ کیونکہ جب تک ایمان کی حقیقت حاصل نہ ہو۔ تب تک زوال سے محفوظ نہیں ہوتا۔ نفس کا تزکیہ درجہ ولایت پر جو فنا و بقا سے مراد ہے وابستہ ہے۔ جب تک ولایت کے درجہ تک نہ پہنچیں نفس کا اطمینان محال ہے۔ اور جب تک نفس کو اطمینان حاصل نہ ہو ایمان کی حقیقت کی بُو جان کے دماغ میں نہیں پہنچتی۔ اور ایمان زوال کے خوف سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (خبردار اللہ تعالےٰ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ کوئی غم کرتے ہیں) ؎

از پے ایں عیش و عشرت ساختن صد ہزاراں جاں ببایدباختن

ترجمہ:۔ پڑے جان اپنی نہ جو کھوں میں جب تک۔ نہیں ہاتھ آتا ہے یہ عیش تب تک۔

معرفت۔ شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ حقیقت سے مراد شریعت کی حقیقت ہے۔ نہ یہ کہ حقیقت شریعت سے جدا ہے۔ طریقت سے مراد وہ راستہ ہے جو شریعت کی حقیقت تک پہنچانے والا ہے۔ نہ کہ شریعت اور حقیقت سے کوئی اور الگ امر ہے۔ پس شریعت کی حقیقت تک پہنچنے سے پہلے پہلے صرف شریعت کی صورت حاصل ہوتی ہے۔ شریعت کی حقیقت تب حاصل ہوتی ہے۔ جب نفس اطمینان کے مقام میں پہنچ جائے۔ اور درجہ ولایت حاصل کرے۔ نفس کے ولایت اور اطمینان کے درجہ تک پہنچنے سے پہلے ایمان

کی صورت حاصل ہوتی ہے۔ اور اطمینان حاصل ہو جانے کے بعد ایمان کی حقیقت و معرفت۔ فنا سے مراد حق تعالیٰ کے ما سوا کا بھول جانا ہے۔ جب کہ حق تعالیٰ کی ہستی کا شہود غالب آجائے۔ اس کا بیان اس طرح ہے کہ روح انسانی مع دوسرے مراتب سر و خفی و اخفی وغیرہ کے بدن کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے پہلے اپنے صانع جل شانہٗ کا علم رکھتا تھا۔ اور حق تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف ایک قسم کی توجہ اس کو حاصل تھی۔ چونکہ اس کی نہاد اور طبیعت میں ترقیوں کی استعداد رکھی گئی تھی۔ اور ان استعدادوں کا ظہور بدن عنصری کے تعلق پر وابستہ تھا۔ اس لئے پہلے اس کو عشق اور محبت کی صفت عطا فرمائی۔ پھر اس پیکر ہیولانی یعنی مادی صورت کی طرف اس کی توجہ کو پھیرا۔ اور کامل طور پر حب و محبت کا رابطہ ان کے درمیان پیدا کر دیا۔ پس روح نے اس جہتی تعلق کے باعث اپنی کمال لطافت کی وجہ سے اپنے آپ کو اس محبوب ظلمانی میں گم کر دیا۔ اور اپنے وجود کو مع اس کے توابع اور لوازم کے اس میں فانی کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر عقلمند لوگ اپنے آپ کو صرف جسد ہی خیال کرتے ہیں۔ اور جسد کے سوا اور کوئی امر ثابت نہیں کرتے۔ اور حق تعالیٰ نے جو ارحم الراحمین ہے اپنی کمال رحمت سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے ان کو اپنی بارگاہ کی طرف بلایا۔ اور اس تعلق ظلمانی سے منع فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ ذکر اللہ پھر چھوڑ ان کو، جس شخص کو سعادت ازلی نے گھیر لیا اس نے اس سے رجوع کیا۔ اور عالم سفلی کی دوستی کو چھوڑ کر عالم علوی کی طرف توجہ کی۔ پھر جوں جوں قدیم کی محبت بڑھتی گئی۔ حادث کی محبت گھٹتی گئی۔ حتیٰ کہ اس محبوب ظلمانی کی طرف سے پورا پورا نسیان میسر ہوا۔ اور اس کی محبت کا کوئی اثر نہ رہا۔ اس وقت فنا جسدی حاصل ہو گئی۔ اور ان قدموں سے جو اس راہ میں معتبر ہیں۔ جن کی نسبت بزرگوں نے فرمایا ہے کہ سب راستہ دو قدم ہے۔ جو ان سے گذر گیا۔ وہ واصل ہوا۔ ایک قدم حاصل ہو گیا۔ اس کے بعد اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مقام سے ترقی کر جائے تو پھر نفس روح اور اس کے توابع وجودی کا نسیان شروع ہو جاتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ نسیان بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ اپنے آپ کو

بالکل فراموش کر دیتا ہے۔ اور حضرت واجب الوجود جل شانہ، کے شہود کے بغیر کچھ نہیں رہتا۔ اس نسیان کو فناء روحی سے تعبیر کرتے ہیں۔ جو ان دو قدموں سے دوسرا قدم ہے۔ عالم سفلی میں اس کے بھیجنے سے مقصود یہی اخیر قسم کی فنا کا حاصل کرنا تھا۔ کیونکہ اس کے بغیر یہ دولت میسّر نہ ہوتی تھی۔ اس میں جو پوشیدہ راز ہے۔ وہ کامل اہل اللہ پر ظاہر ہے وہ سر یہ ہے کہ روح کے لئے ضروری ہے۔ کہ غیر کے ساتھ کمال دوستی اور نہایت محبت کے ہو جانے کے باعث اپنے آپ کو فراموش کر دے۔ اور محبت کا غلبہ جیسا شہادت میں ہوتا ہے ویسا غیب میں نہیں ہوتا۔ پس اس نے پہلے شہادت میں وُہ کمال محبت حاصل کی جس سے نفس روح کو فناء حاصل ہو گئی۔ پھر اس کو غیب میں جتلایا تاکہ دوبارہ اس کو نفس روح کی فنا حاصل ہو۔ یہی پوشیدہ راز ہے جس کو صرف بڑے بڑے عارف لوگ ہی جانتے ہیں۔ پس فناء قلب کو حقیقت جامعہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور وہ روح کی تابع ہے۔ پس جب قلب اپنے مکان سے روح کے مکان کی طرف ترقی کرتا ہے تو روح کی اتباع کے باعث اس کو بھی یہ نسیان حاصل ہو جاتا ہے۔ اور روح کی فنا کے سبب اس کو بھی فنا حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن نفس کا تزکیہ تب ہوتا ہے جب کہ نفس مقام قلب تک پہنچ جائے۔ بعد ازانکہ قلب مقام روح تک پہنچ گیا ہو۔ عوارف والا جو شیخ الشیوخ ہے نسیان مذکور کو مادہ نفس میں ثابت نہیں کرتا۔ اور مقام قلب تک پہنچنے کے سوا اس کی کمال طہارت نہیں جانتا۔ لیکن یہ ضعیف کہتا ہے کہ نسیان مذکورہ مادہ نفس میں بھی متحقق ہو جاتا ہے۔ لیکن اس وقت جب کہ نفس مقام قلب سے ترقی کر کے مقام روح تک پہنچ جائے اس وقت نفس کو بھی فنا حاصل ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ قلب کو حاصل ہوتی ہے۔ یا وُہ نفس ہے جو اطمینان کے حاصل ہونے کے بعد اپنے آپ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور مقام قلب سے گذر کر قلب کے مقلب یعنی بدلنے والے کے ساتھ جا ملتا ہے اور راضی اور مرضی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کی شان میں فرماتا ہے۔ یَا اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً (اے نفس مطمئنہ تو اپنے رب کی طرف راضی و مرضی ہو کر آجا) ہاں جب تک وہ اپنے مقام میں ہے جس کی نسبت شیخ الشیوخ نے

خبردی ہے اور اس کو مطمئنہ کہا ہے۔ تب تک نسیان مذکور اِس کے حق میں مفقود ہے بلکہ اِس مقام میں اطمینان کا نام بھی اس کے لئے لائق نہیں۔ مرض کی بیشک ہو چکا ہے لیکن اطمینان کے درجہ تک نہیں پہنچا۔ مقام قلب مقام تقلب (تغیر و تبدّل) ہے جس کی ضد اطمینان ہے۔ پس اِس مقام سے نکلنا اطمینان کے لئے شرط ہے۔ ہر شخص کا فہم اِس درجہ تک نہیں پہنچتا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ بڑے فضل والا ہے) لیکن وہ معاملہ جو قالب کے ساتھ ہے۔ سوائے جوارح اور اعضاء کے اِن اعمال کے جو شریعت نے بیان کئے ہیں ولایت معروفہ کے دائرہ سے خارج ہے۔ اور جذبہ و سلوک کے دونوں طریق سے باہر ہے۔ کیونکہ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے ماسوا ہے۔ اور اکابر اولیاء اللہ میں سے بہت تھوڑوں کو اِس مقام کے علوم و مُعارف پر اطلاع ملی ہے۔ چونکہ کسی نے اِس بارہ میں مفصل گفتگو نہیں کی۔ اور اگرچہ کلام ربّانی اور احادیث نبوی میں مذکور ہے لیکن اشارہ اور رمز کے طور پر ہے۔ اِس لئے یہ ضعیف بھی اِن اوراق میں اس کی نسبت کلام نہیں کرتا اور ولایت معروفہ کے مراتب میں سے فنا کے مراتب پر اقتصار کرتا ہے۔ اگر پھر کبھی سُننے والوں میں اِن باتوں کے سمجھنے کی لیاقت معلوم کی تو اپنی دریافت اور سُننے والوں کے فہم کے موافق اِس بارہ میں گفتگو کی جائے گی انشاء اللہ تعالےٰ وہی حق تعالےٰ بہتری کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ یہ ضروری نہیں کہ جس کسی کو فناء روحی میسّر ہو جائے اس کو فناء قلبی بھی میسّر ہو جائے۔ لیکن اِس قدر ضرور ہے کہ قلب کو رُوح کی طرف جو اس کے حق میں باپ کی طرح ہے۔ میلان پیدا ہو جاتا ہے اور نفس کی طرف جو اس کے حق میں ماں کی طرح ہے۔ روگردانی حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر اِس کا یہ میلان غالب آ جائے۔ اور کامل طور پر اِس کو باپ کی طرف کھینچ لے اور اِس کے مقام میں پہنچا دے۔ تو اس وقت باپ کی صفت سے جو کہ فنا ہے متصف ہو جاتا ہے۔ یہی حال نفس کا ہے کہ روحی اور قلبی فنا سے اس کی فنا لازم نہیں آتی۔ حاصل کلام یہ کہ نفس کو بیٹے کی طرف جو کہ قلب ہے میل و کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر یہ میل غلبہ کرے اور بیٹے کے مرتبہ

تک جو باپ صلبی کے مقام تک پہنچ چکا ہے پہنچا دے۔ تو مرید بیٹے کی صفت سے جو باپ کی خلق سے آراستہ ہے متصف ہو جائے گا۔ اور اس کو فنا حاصل ہو جائے گی روح کے اوپر جو تین مرتبہ ہیں ان کا بھی یہی حال ہے کہ روح کی فنا سے ان کی فنا لازم نہیں آتی۔ ہاں اگر روح کے ہبوط کے وقت ان تینوں مراتب نے کلی طور پر یا جزئی طور پر روح کی موافقت کے ساتھ ہبوط کیا ہو۔ اور روح کی محبت کے غلبہ نے ان میں بھی سرایت اور اثر کیا ہو۔ اور ان کو اپنے اپنے نسیان کے درجہ تک پہنچایا ہو تو ہو سکتا ہے۔ کہ رجوع قہقری کے وقت کلی یا جزئی طور پر ان کو بھی فنا حاصل ہو جائے اور روح کی طرح فانی ہو جائیں۔ پوشیدہ نہ رہے کہ قلب سے خطرات کا بالکل دور ہو جانا قلب سے ماسوائے حق کے نسیان کی علامت ہے۔ کیونکہ خطرہ قلبی اشیاء میں سے کسی شے کے حصول اور خواطر ین کے خطور سے مراد ہے۔ اور اس کے حصول و خطور کا موجب علم ہے۔ جب خطرہ بالکل دور ہو جائے۔ حتیٰ کہ اگر تکلف کے ساتھ بھی اس کو لانا چاہیں تو نہ آئے۔ اور اگر اس کو یاد دلائیں تو یاد میں نہ آئے۔ پس علم بالکل زائل ہو گیا اور علم کا زائل ہو جانا یہی وہ نسیان ہے۔ جو فنا میں معتبر ہے۔ یہ ہے مقام فنا کے بیان کی نہایت۔ مشائخ میں سے کسی نے اس مقام میں اس طرح مفصل بیان نہیں کیا۔ اور ما سوائے حق کے نسیان سے پہلے فنا تعبیر نہیں کیا۔ ابھی اس میں کلام کی بہت گنجائش ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ کی توفیق مدد فرمائے۔ تو اس سے بھی زیادہ مفصل گفتگو کی جائے گی۔ کیونکہ یہ مقام طالبوں کے پھسلنے اور گمراہ ہو جانے کا مقام ہے اور اللہ تعالےٰ بہتر جانتا ہے۔

معرفت۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سالک کی نظر عالم ارواح پر پڑتی ہے۔ اور اسی عالم کو مرتبہ وجوب کے ساتھ اس کی مناسبت کے باعث اگرچہ وہ مناسبت صورت کے طور پر ہو حق خیال کرتا ہے۔ اور اس عالم کے شہود کو تصور کرتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ محفوظ ہوتا اور لذت حاصل کرتا ہے۔ اور چونکہ عالم ارواح کو عالم اجساد کے ساتھ ایک قسم کا تعلق حاصل ہے۔ اس لئے اس عالم میں اس علم کے شہود کو کثرت میں وحدت کا شہود سمجھتا ہے اور احاطہ و معیت ذاتی کا حکم کرتا ہے۔ اور ان تخیلات کے باعث مطلوب حقیقی تک ترقی کرنے اور پہنچنے کا راستہ سالک پر بند ہو جاتا

ہے۔ اگر اس کو اس مرتبہ سے ترقی نہ بخشیں اور باطل سے حق کی طرف نہ لے جائیں تو اس کے حق میں نہایت ہی حسرت و افسوس ہے۔ بعض مشائخ اس مقام میں رُوح کو خدا سمجھ کر تیس سال تک اس کی پرستش کرتے رہے۔ پھر جب اس مقام سے ترقی کی تو اس کی بُرائی ان پر ظاہر ہو گئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالےٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت بخشی۔ اگر وہ ہمیں ہدایت نہ بخشتا تو ہم کبھی نہ پاتے بے شک ہمارے رب کے رسول حق بات لے کر آئے ہیں) بعض مشائخ نے جو واجب تعالےٰ کی صفات کے وجود کا انکار کیا ہے اور صفات کو خارج میں عین ذات کہا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ صفات کی تجلیات کے مرتبہ میں رہے ہیں۔ صفات ان کے حق میں ذات جل شانہ، کے شہود کے آئینے بن گئے ہیں۔ اور آئینہ کا حکم رائی یعنی دیکھنے والے کی نظر سے پوشیدہ ہونا ہے۔ پس یہی وجہ ہے کہ صفات مرئیت یعنی آئینہ بننے کے حکم سے ان کی نظر سے پوشیدہ ہو گئے ہیں۔ اور جب صفات کو نہیں دیکھتے تو حکم کرتے ہیں کہ خارج میں عین ذات ہیں۔ اور مرتبہ علم میں جو ذات اور صفات کی مغائرت ثابت کی ہے۔ اس کا باعث یہ ہے کہ تا صفات کی نفی لازم نہ آئے۔ اگر یہ بعض لوگ اس مقام سے ترقی کر جاتے اور ان کا شہود صفات کے آئینے سے نکل جاتا تو ان پر اپنی حقیقتِ حال کھل جاتی اور ان کو معلوم ہو جاتا کہ علماء اہل سنت و جماعت کا یہ قول کہ صفات ذات پر زائد وجود کے ساتھ موجود ہیں صحیح ہے اور واقع کے مطابق ہے۔ اور چراغ نبوت علی صاحب الصلوٰۃ والسّلام سے اقتباس کیا ہوا ہے ✦

معرفت۔ جس کسی کو چاہتے ہیں محض فضل سے ترقیات کی دولت سے مشرف فرماتے ہیں۔ اور ہر مقام میں اس کو فنا و بقا عطا کرتے ہیں۔ جب تک نیچے کے مقام میں فنا و بقا متحقق نہ ہو۔ اس سے اوپر کے مقام تک عروج کرنا متصور نہیں ہوتا۔ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا (اللہ تعالےٰ کی سنت ہے جو گذری اس سے پہلے۔ اور تو اللہ کی سنت کے لئے تبدیلی نہ پائے گا) ایک بزرگ فرماتا ہے ۔ ؎

بگفرو با سلام یکساں نگر ۔۔۔ کہ ہر یک ز دیوانِ او دفتری ست

ترجمہ:- تم اسلام اور کفر جانو برابر- کہ ہر ایک ہے اس کے دیواں کا دفتر +

کفر اور اسلام کو یکساں دیکھنا غلبہ توحید اور افراطِ شکر کے وقت ہے جو جمع صرف کے مقام میں ہے۔ اور یہ مقام فنا و استہلاک کا مقام ہے۔ یہ دید سالک کے اپنے اختیار سے نہیں ہے۔ اس لئے معذور ہے۔ جب تک سالک کو اس مقام سے ترقی نہ دیں اور جمع کے بعد فرق کے مقام تک نہ پہنچائیں تب تک اسلام حقیقی کی بو اس کی جان کے دماغ میں نہیں پہنچتی۔ ہمیشہ کے لئے کفر حقیقی میں محبوس رہتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ امر میں امتیاز نہیں کر سکتا۔ ؎

ہر کس کہ کشتہ گشت ازاں خالِ ہندوش   گرچہ شہید رفت مسلماں نمیرود

ترجمہ:- اس کے سیاہ خال سے جو شخص مر گیا۔ اگرچہ شہید ہو گیا لیکن مسلمان نہیں مرا +

خالِ ہندو یعنی سیاہ خال ظلمت اور استتار سے مراد ہے جو مقام کفر کے مناسب ہے مسلمانی کے ساتھ اس کی کوئی مناسبت نہیں۔ جس طرح شریعت کے مرتبہ میں اسلام و کفر کے درمیان تمیز نہ کرنا شریعت کا کفر ہے۔ اسی طرح مرتبہ حقیقت میں کفر و اسلام کے درمیان میں تمیز نہ کرنا حقیقت کا کفر ہے۔ نیز غلبہ حال کے ظہور سے پہلے کفر و اسلام کے درمیان تمیز نہ کرنا جس طرح اہل شریعت کے نزدیک کفر ہے۔ اسی طرح اہل حقیقت کے نزدیک بھی کفر اور مذموم ہے۔ اگر اہل شریعت اور اہل حقیقت کے درمیان اختلاف ہے تو غلبہ حال کی صورت میں ہے۔ جیسے کہ منصور کا حال تھا۔ جو مغلوب الحال تھا۔ اہل شریعت نے اس کے کفر کا حکم کیا ہے۔ نہ کہ اہل حقیقت نے۔ لیکن اہل حقیقت کے نزدیک بھی نقص اور عیب اس کی دامنگیر ہے۔ اس کو کاملوں سے نہیں گنتے اور حقیقی مسلمانوں سے نہیں سمجھتے۔ منصور کا یہ شعر اس بات پر شاہد ہے ؎

کَفَرْتُ بِدِيْنِ اللّٰهِ وَالْكُفْرُ وَاجِبٌ   لَدَيَّ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِيْنَ قَبِيْحٌ

ترجمہ:- ہوا کافر میں دین حق سے مجھ پر کفر واجب ہے۔ اگرچہ سب مسلمانوں کے ہاں یہ کفر بدتر ہے پس غلبہ حال کے ظہور سے پہلے ارباب احوال کی تقلید کرنا اور اس میں تمیز نہ کرنا بے تمیزی ہے۔ اور شریعت و حقیقت میں الحاد و زندقہ و کفر ہے اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو اس قسم کی تقلید سے بچائے۔ تقلید کے لائق

علوم شرعیہ ہیں - اور دائمی نجات حنفی اور شافعی کی تقلید پر وابستہ ہے - جنید اور شبلی کے اقوال دو قسم کی مصلحت کے لئے کام آتے ہیں - یعنی احوال کے ظاہر ہونے سے پہلے اِن اقوال کا سننا طالبوں کو اِن احوال کا شوق بخشتا ہے اور ان میں وجد پیدا کرتا ہے - اور احوال کے ظاہر ہونے کے بعد انہی اقوال کو اپنے احوال کا مصداق بنا لیتے ہیں - اِن دو مصلحتوں کے بغیر اِن کے اقوال میں غور کرنا اور ان کو جاننا منع ہے اور اس میں بہت ضرر کا احتمال ہے - عقلمند لوگ جہاں ضرر کا وہم ہو قدم نہیں دھرتے - تو پھر جہاں ضرر کا ظن غالب ہو وہاں کیوں جائیں +

معرفت - بعض مشائخ طریقت قدس سرہم نے سکر اور غلبہ حال میں کہا ہے - کہ کافر بھی مومن کی طرح مقصود حقیقی تک پہنچنے والا ہے - گو اِس کے وصل کا راستہ متباین اور متغایر ہے - یعنی کافر لوگ اسم متصل کی راہ سے پہنچتے ہیں - اور مومن اسم ہادی کی راہ سے - اِس مقام میں اِس قسم کی باتیں مشائخ طریقت نے بہت کہی ہیں اور اِن لوگوں نے بھی جو اپنے آپ کو اِن بزرگواروں کے لباس میں ظاہر کرتے ہیں - اِس بارہ میں محض تقلید کے طور پر یا توحید صوری کے ظہور کے نور کے وقت اس قسم کی باتیں بہت کہی ہیں - اور بہت سے سادہ دل والوں کو گمراہ کیا ہے - اِس قسم کی باتوں کی حقیقت کچھ اور ہی ہے - جس کو اکابر اولیاء اللہ نے جو حال کی استقامت سے مشرف ہیں منکشف اور ظاہر کیا ہے - اِس حقیقت کا تھوڑا سا بیان لکھا جاتا ہے - جاننا چاہیئے کہ اثناء راہ میں سالک پر اشیاء کے ساتھ حق تعالےٰ کا قرب اور اس کی معیت ظاہر کرتے ہیں - خواہ وُہ قرب و معیت کسی شے کے ساتھ ہو سالک اس وقت حق تعالیٰ کی ذات کو ہر شے کے ساتھ معلوم کرتا ہے - اور اس وقت معیت ذاتی اور قرب ذاتی اور احاطہ و سریان ذاتی کا حکم کرتا ہے - اور اس قرب و معیت میں تمام اشیاء کو برابر دیکھتا ہے - خواہ وہ شے کافر ہو یا مومن تمام اشیاء کا یہی قرب و معیت اس سابقہ حکم کا باعث ہو جاتا ہے - لیکن صحو اور تمیز والے لوگ جانتے ہیں کہ اِس بارگاہ سے قرب و معیت کے ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ بھی اس کے قریب ہوں یا اس کے ساتھ ہوں - کیونکہ قرب و وصل علم کے اعتبار سے ہے - اور علم کافر میں مفقود ہے - بلکہ عامہ مومنین کے حق میں بھی وصل کا اطلاق

نہیں کرتے جب تک وُہ ولایت کے درجہ تک نہ پہنچ جائیں اور باقی باللہ نہ ہو جائیں تب تک وُہ واصل نہیں ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

دوست نزدیک تر زمن بمن است — اینست مشکل کہ من ازو دُورم

ترجمہ:۔ دوست ہے میری جان سے نزدیک۔ پر مَیں اس سے پڑا ہوں دُور ہی دُور یہ دوری اسی وجہ سے ہے کہ اس کو ذوقی طور پر حق تعالےٰ قرب کا علم نہیں بلکہ مَیں کہتا ہوں کہ گمراہی کا موجب اور سرکشی کا مبدء یہی بعد اور دوری ہے۔ حق تعالےٰ کی جناب پاک کی طرف سب خیر و ہدایت ہی آتی ہے۔ لیکن محل و جگہ کے خبث اور ناپاک ہونے کے باعث ضلالت اور گمراہی کا مادہ پیدا کر دیتی ہے۔ اگرچہ یہ امر بھی اللہ تعالےٰ کی پیدائش سے ہے۔ اس کی مثال اس بہتر اور اچھی غذا کی سی ہے جو بیمار کے وجود میں ردی خلطوں اور فاسد مادوں کے باعث اس کی مزاج کو خراب کرتی اور بیماری کو بڑھاتی ہے۔ پس اس بارگاہ عالیہ پر اسم مضل کا اطلاق ان میں ضلالت کے پیدا کرنے کے اعتبار سے ہے۔ اور وُہ ضلالت ان کی ذات اور اصلیت کے باعث ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کی پیدائش سے وجود میں آئی ہے۔ پس اسم مضل کے ساتھ ان کی کوئی مناسبت نہیں صرف اسی قدر ہے کہ ان میں ضلالت اور گمراہی پیدا کی گئی ہے۔ اور باوجود قطع نظر اس پیدائش کے اس اسم کو حق تعالےٰ کی بارگاہ کے ساتھ بھی کو مناسبت نہیں برخلاف اسم ہادی کے کیونکہ ان میں ہدایت کے پیدا کرنے سے قطع نظر کرنے کے باوجود حق تعالےٰ کی ذات کے ساتھ اس اسم کی زیادہ مناسبت ہے۔ اس لئے کہ ہدایت کا منشا خیر و کمال ہے اور ضلالت کا منشا شر و نقصان۔ خیر و کمال اللہ تعالےٰ کی ذات کے لائق ہے۔ اور شر و نقصان اس کی بارگاہ کے لائق نہیں۔ کیونکہ ذات پاک سراسر خیر محض ہے۔ نیز ضلالت کو مضل کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں۔ صرف اسی قدر ہے کہ صرف شرارت اور محض کمال کے لئے اس میں پیدا کی گئی ہے۔ اور ہدایت کو ہادی کے ساتھ خلقیہ مناسبت کے علاوہ اور بھی مناسبت ہے۔ اور وُہ دونوں میں خیریت اور کمال ہے۔ کیونکہ صورت اول یعنی جہت مشترک یعنی ضلالت کی فیما بین کوئی مناسبت نہیں۔ اور دوسری صورت میں جہت مشترک یعنی ہدایت کی فیما بین مناسبت حاصل ہے۔ پس مہتدی ہدایت کے ذریعے ہادی تک پہنچ جاتا ہے

لیکن ضال یعنی گمراہ ضلالت کے وسیلہ سے مضل تک نہیں پہنچتا۔ جیسے کہ پوشید نہیں ہے۔ اس بات کو اس مثال سے واضح کرتے ہیں کہ صفراوی مزاج والے کو اس کی مزاج کے بگڑنے کے باعث شیرینی تلخ معلوم ہوتی ہے۔ تو اس صورت میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ صفراوی مزاج والا شخص تلخی کی راہ سے شیرینی تک واصل ہے۔ کیونکہ شیرینی میں ہرگز تلخی موجود نہیں۔ اسی شیرینی نے صفراوی کی مزاج کے بگڑنے کے باعث تلخی پیدا کرلی ہے۔ یہ شیرینی اگرچہ عارضی طور پر پیدا ہوئی ہے لیکن صفراوی مزاج والے کو شیرینی تک پہنچنے سے مانع ہے۔ پس ضلالت درحقیقت ضال کے مضل تک پہنچنے سے مانع ہے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ دریائے نیل کا پانی قبطی کے حق میں اس کی مرض قلبی اور موسوی دشمنی کے باعث خون ہوگیا تھا کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا کہ قبطی خون کی راہ سے پانی تک واصل ہے۔ بلکہ خون پانی تک اس کے پہنچنے کا مانع ہے۔ کیونکہ پانی میں کوئی دمویت یعنی خون کی رنگت نہیں۔ صرف قبطی کے مزاج کے بگڑنے کے باعث پیدا ہوئی ہے۔ اور پانی تک واصل ہونے کی مانع ہوئی ہے۔ پس ان لوگوں نے صرف حق تعالٰے کے قرب کو ملاحظہ کیا ہے۔ اور بندہ کی طرف کا ملاحظہ نہیں کیا اس لئے حق تعالٰے کے ساتھ بندہ کے قرب کا حکم کیا ہے اور غائب اور حاضر میں فرق نہیں کیا۔ لیکن صحو اور تمیز والے دلوں نے اس فرق کو جان کر واقع کے مطابق حکم کیا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَھُوَ یُحِقُّ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ۔ (اللہ تعالٰے بہتر جانتا ہے اور وہی حق کو ظاہر کرتا اور سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے)

اور یہ جو میں نے کہا تھا کہ اثنائے راہ حق تعالٰے کا قرب سالک پر ظاہر ہوتا ہے۔ وہ اس لئے ہے کہ منتہی لوگ حق تعالٰی کے قرب کو اشتیاق کے ساتھ قرب علمی جانتے ہیں۔ اور معیت اور احاطہ اور سریان بھی علمی ہے۔ اس بات میں وہ علماء اہل حق کے موافق ہیں۔ اور علم سابق سے توبہ کرتے ہیں اور حق تعالٰی کی ذات کو عالم کے ساتھ کوئی نسبت نہیں دیتے۔ اور جو نسبت واقع ہوئی ہے اس کو صفات تک پہنچے لے آتے ہیں۔ اس کی ذات کو بیچون اور بیچگون جانتے ہیں۔ کیونکہ نسبت کا ثابت کرنا اس بات کے منافی ہے۔ پس وہ قرب و معیت جو باعتبار ذات کے ہو۔

دونو طرف سے مسلوب جانتے ہیں۔ ذالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَ اللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْم (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) +

معرفت:۔ سیر و سلوک اس علم میں جو معقول کیف سے ہے حرکت سے مراد ہے لیکن حرکت یہاں گنجائش نہیں رکھتی۔ پس سیر الی اللہ اس حرکت علمیہ سے مراد ہے جو اسفل کے علم سے اعلیٰ کے علم کی طرف کی جاتی ہے۔ اور وہاں سے پھر اعلیٰ اور اس سے اعلیٰ کی طرف حتیٰ کہ واجب تعالیٰ کے علم تک پہنچ جائے۔ اس سیر میں جب تمام ممکنات کے علوم طے ہو جائیں اور سب کے سب زائل ہو جائیں تو اس حالت کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں۔ سیر فی اللہ اس حرکت علمیہ سے مراد ہے۔ جو مراتب وجوب یعنی اسماء و صفات و شیون و اعتبارات اور تقدیسات اور تنزیہات میں ہے۔ حتیٰ کہ اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ جس کو کسی عبارت سے تعبیر نہ کر سکتے کسی اشارہ سے اس کو بیان نہیں کر سکتے۔ نہ کسی اسم سے اس کو موسوم کر سکتے ہیں۔ نہ کسی کنایہ سے اس طرف اشارہ کر سکتے ہیں۔ نہ کوئی عالم اس کو جانتا ہے۔ نہ کسی ادراک والے کے ادراک میں آسکتا ہے۔ اس کو بقا سے تعبیر کرتے ہیں۔ سیر عن اللہ باللہ جو سالک کا تیسرا سیر ہے اس حرکت علمیہ سے مراد ہے۔ جو اعلیٰ کے علم سے اسفل کے علم کی طرف نیچے جاتی ہے۔ اور اس اسفل سے دوسرے اسفل کی طرف حتیٰ کہ ممکنات تک پہنچ جائے۔ جیسے کہ اس نے پہلے وہاں سے ترقی کی تھی۔ اور تمام مراتب وجوب کے علوم سے تنزل کرے۔ ایسے شخص کا یہ حال ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھول جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ رجوع ہے۔ ایسا شخص واجد فاقد۔ واصل مہجور اور قریب اور بعید ہوتا ہے۔ چوتھا سیر جو اشیاء میں سیر ہے وہ اشیاء کے علوم کے حاصل ہونے سے مراد ہے۔ جیسے کہ سیر اول میں اشیاء کا علم زائل ہو چکا ہے۔ اس سیر میں پھر وہ سب کا سب حاصل ہو جاتا ہے۔ گویا چوتھا سیر سیر اول کے مقابل ہے اور تیسرا سیر دوسرے سیر کے مقابل۔ سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ ولایت کے حاصل ہونے کے لئے ہے۔ جس کو فنا اور بقا سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور تیسرا اور چوتھا سیر مقام دعوت

کے حاصل ہونے کے لئے ہے۔ جو انبیاء مرسل علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل متابعت کرنے والوں کو بھی مقام دعوت سے حصہ حاصل ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (کہ یہ ہے میرا راستہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں اور میری متابعت کرنے والے بصیرت پر ہیں) +

معرفت۔ بعض لوگ فطرتی اور پیدائشی طور پر حضور اور توجہ پر پیدا کئے گئے ہیں۔ اور کسی کسب کو اس توجہ یا حضور میں دخل نہیں۔ اس میں بھید یہ ہے کہ روح کو اس بدن کے ساتھ تعلق حاصل ہونے کے بعد ایک قسم کی توجہ حضور حاصل تھا۔ جب اس کو بدن کے ساتھ متعلق کیا اور دونوں میں عشق ومحبت کی نسبت پیدا ہو گئی تو ہمہ تن بدن کی طرف روح ایسی متوجہ ہوئی کہ اس نے اپنے آپ کو اور اپنے گذشتہ احوال کو بھلا دیا۔ تو جن لوگوں کو توجہ کے غلبہ یا کسی اور امر کے باعث وہ پہلی توجہ بالکل فراموش نہ ہوئی اور بدنی تعلق کے باوجود اس اثر باقی رہا۔ تو یہ توجہ کسی عمل اور کسب کی محتاج ہو گی۔ لیکن جاننا چاہئے کہ وہ لوگ جو بالکل اس کو فراموش کر چکے ہیں۔ اگر بدنی تعلق کے بعد ان کو عروج واقع ہو جائے تو پہلے لوگوں سے زیادہ سبقت لے جاتے ہیں اگرچہ پہلی قسم کے لوگ بھی ترقی کرتے ہیں۔ کیونکہ بالکل فراموش کر جانا کامل طور پر معشوق کی طرف متوجہ ہونے کا باعث ہے۔ اور اس کی استعداد کے لطیف ہونے کی خبر دیتا ہے۔ یعنی جس طرف متوجہ ہو اسی کا رنگ پکڑ لیتا ہے۔ اور اس کے غیر کو بالکل فراموش کر دیتا ہے۔ برخلاف پہلے عدم نسیان کی صورت کے کہ اس میں معشوق کی طرف توجہ کرنے میں قصور مفہوم ہوتا ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم +

معرفت۔ سابقین کو چونکہ حضور اوّل ہی سے حاصل ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ حضور ان کی کلیت یعنی ظاہر اور باطن میں سرایت واثر کر جائے۔ اور ان کی بصر بصیرت کا حکم حاصل کرلے۔ اور ان کا ظاہر اور باطن کے رنگ میں رنگا جائے۔ لیکن وہ سرایت جو محبوبوں میں ہے وہ اور ہے۔ کیونکہ محبوب بالکل اپنے آپ سے نکل کر اس کے ساتھ باقی ہو جاتے ہیں۔ ان کے وجود کا ہر ایک ذرہ اس کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔ برخلاف سابقین کے کہ ان کے وجود کا بقیہ اپنے حال پر ہے۔ یہ لوگ

اپنے آپ کے ساتھ باقی ہیں نہ کہ اس کے ساتھ۔ نہایت یہ کہ اس کے رنگ میں رنگے ہوتے ہیں +

معرفت۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔) حق تعالیٰ کی ذات سے ظلم کی نفی اور مخلوقات میں ظلم کا اثبات ظاہر ہے۔ کیونکہ ظلم کی پیدائش ان کے ارادہ کے تابع ہے اور ارادہ خیر و شر کے علم کے تابع ہے۔ جس کو شرع میں مقدورین کہتے ہیں جو ان کے حق میں برابر ہے۔ پس جب وہ شرارت کا ارادہ کرتے ہیں۔ جس کی شرارت ظاہر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ پیدا کر دیتا ہے جیسے کہ وہ ارادہ کرتے ہیں۔ اور خیر مقدور کو جس کی خیریت شرع کے موافق ظاہر ہے۔ ترک کر دیتے ہیں۔ پس ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ باقی رہی یہ بات کہ ان کی قدرت اور ارادت بھی دونوں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قدرت کو پیدا کیا ہے۔ تو اس کی نسبت خیر و شر کی طرف یکساں ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں شر کی قدرت پیدا کی ہے اور خیر کی قدرت پیدا نہیں کی۔ تاکہ وہ شر کے کرنے پر مجبور رہوں۔ اسی طرح ارادہ کا حال ہے کہ اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے ان میں پیدا کیا ہے اور خیر و شر میں سے جس کی طرف چاہے مائل ہو جاتا ہے۔ اور پیدا کئے ہوئے ارادہ کے موافق مقدورین یعنی شر و خیر میں سے ایک کی دوسرے پر ترجیح ان کے حق درست ہو جاتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ ان کی اپنی جانوں نے ظلم کیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا علم اور قضاء ازلی بھی بندوں سے ظلم کی نفی کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ازل ہی میں جان لیا تھا اور حکم کر دیا تھا۔ کہ فلاں شخص اپنے اختیار سے فعل شر کی جانب کو اختیار کرے گا۔ اور اپنے اختیار سے فعل خیر کو ترک کر دے گا۔ پس علم اور قضا بندہ کے اختیار کی تاکید کرتے ہیں۔ اور اس کی نفی نہیں کرتے جیسے کہ وہ شخص جس پر بعض مغیبات اور پوشیدہ امور کا کشف ہو جائے۔ اور جان لے اور حکم کر دے کہ فلاں شخص اپنے اختیار سے یہ کام کرے گا تو جس طرح یہ علم اور حکم اختیار کی نفی نہیں کرتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا علم و قضا بندہ سے اختیار کی نفی نہیں کرتے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ +

معرفت: قطب ابدال ان فیوض کے پہنچنے کا ذریعہ ہے جو عالم کے وجود اور اس کے بقا سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور قطب ارشاد ان فیوض کے پہنچنے کا واسطہ ہے جو عالم کے ارشاد اور ہدایت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ پس پیدا کرنا۔ رزق دینا۔ بلیات کا دور کرنا۔ امراض کا دفع کرنا۔ صحت و عافیت کا حاصل ہونا وغیرہ ان فیوض پر وابستہ ہے جو قطب ابدال کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور ایمان۔ ہدایت۔ نیک کاموں کی توفیق۔ برائیوں سے توبہ کرنا ان فیوض کا نتیجہ ہیں۔ جو قطب ارشاد کے ساتھ مخصوص ہیں قطب ابدال ہر وقت کام میں ہوتا ہے۔ اور جہان کا خالی رہنا اس سے متصور نہیں۔ کیونکہ عالم کا نظام وجہان کا انتظام اسی پر موقوف ہے۔ اگر ان قطبوں میں سے ایک مرجاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ مقرر کر دیتے ہیں۔ لیکن قطب ارشاد کے لیے ضروری نہیں کہ ہمیشہ ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت جہان ایمان و ہدایت سے بالکل خالی ہو جائے۔ درجہ ولایت تک پہنچنے کے بعد ان اقطاب کے افراد میں کمال کے لحاظ سے بہت فرق ہے اقطاب ارشاد میں سے فرد اکمل حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم پر ہے۔ اور اس فرد کے کمال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات کے مطابق ہیں۔ فرق صرف اصالت اور تبعیت کا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے وقت میں قطب ارشاد تھے۔ اور قطب ابدال اس وقت حضرت اویس قرنی تھے۔ اور قطب سے جہان میں فیض کے پہنچنے کا طریق یہ ہے کہ قطب اپنی حاصل کی ہوئی جامعیت کے باعث ان مبدء فیاض کے لئے صورت کی طرح ہے۔ اور اس کے آگے ظل کی مانند ہے۔ اور جہان سب کا سب اس قطب جامع کی تفصیل ہوتا ہے۔ پس فیض حقیقت سے صورت کی طرف بے تکلف آجاتا ہے۔ اور صورت جامع سے جہان کی طرف جو اس کی تفصیل ہے بے تماشا پہنچ جاتا ہے۔ پس فیاض مطلق صرف حق تعالےٰ ہی ہے۔ اور فیض کے پہنچانے میں واسطہ کا کوئی دخل نہیں۔ بلکہ بسا اوقات واسطہ کو اس سے آگاہی بھی نہیں ہوتی ہے۔ ع

از ما و شما بہانہ ساختہ اند

ترجمہ:۔ ہمارا اور تمہارا بہانہ ہے۔ اگر کوئی سوال کرے کہ ایمان اور ہدایت عام مخلوقات کو حاصل نہیں۔ پس قطب ارشاد کے فیوض عام نہ ہوئے۔ بلکہ اہل ایمان

اور اہل ہدایت کے ساتھ ہی مخصوص ہوئے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رحمت عالمیان ہیں تو قطب ارشاد کے کیا معنی ہوئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ مبدء فیاض کی طرف سے آتا ہے۔ سب خیر و برکت و ہدایت ہے شر و نقص کو اس بارگاہ میں راہ نہیں۔ خواہ وہ فیض اہل سعادت کو پہنچے خواہ اہل شقاوت کو۔ لیکن وہی ہدایت و ارشاد اہل فساد میں محل کے ناپاک ہونے کے باعث گمراہی اور شرارت کا مادہ پیدا کر دیتی ہے۔ جس طرح کہ اچھی غذا بیمار ہو۔ اس کے جسمانی مرض کے باعث بیماری کو بڑھاتی ہے۔ اسی طرح ہدایت ان کی دلی امراض کے باعث گمراہی پیدا کر دیتی ہے۔ دریائے نیل کے پانی کی طرح جو محبوبوں کے لئے پانی تھا اور محجوبوں کے لئے بلا تھا۔ یعنی وہ درحقیقت پانی ہی تھا۔ جو قبطی کو خون دکھائی دیتا تھا۔ اور پانی کا خون کی طرح معلوم ہونا اس کے اپنے باطنی خبث کے باعث تھا۔ کہ پانی بگڑا ہوا تھا۔ صفراوی مزاج والے کو جو میٹھی شے کڑوی معلوم ہوتی ہے تو اس کی اپنی مزاج کے بگڑنے کے باعث ہے۔ شیرینی کی ذات میں کسی قسم کی تلخی پیدا نہیں ہوئی۔ صرف محل کے بگڑنے کے باعث تلخی پیدا ہو گئی ہے۔ جیسے کہ مفصل گذر چکا۔ پس ثابت ہوا کہ جو کچھ حق تعالیٰ کی طرف سے پہنچتا ہے سب خیر و برکت اور صلاح و رشد ہے وہی خیریت محل کے ناپاک ہونے باعث فساد پیدا کرتی ہے۔ پس مضل کا اسم حق تعالےٰ پر اسی لئے بولا جاتا ہے کہ وہ فساد جس کا موجب محل کا ناپاک ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خلق سے وجود میں آتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود بخود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ محل کی خباثت کہاں سے آئی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کا جسم عناصر اربعہ سے مرکب ہے۔ اور ہر ایک عنصر جو اس کا جزو ہے۔ ایک ایک خاص خصوصیت کا باعث ہے۔ مثلاً جزو ناری یعنی آگ بلندی اور سرکشی کا باعث ہے۔ اور جزو خاکی سفل اور پستی کا موجب علیٰ ہذا القیاس پس ان کے اجتماع میں جو شخص اعتدال کے نزدیک ہے وہ بسیط حقیقی کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اور اسی مناسبت کے باعث خیر و برکت و رشد ہدایت کے لائق ہوتا ہے۔ اور جو کوئی اس اعتدال سے زیادہ دور ہے۔ اور اس میں بعض اجزاء کی خصوصیتیں زیادہ غالب ہیں۔ اور بعض دوسروں کی مغلوب۔ اور اس اختلاط

کے باعث بسیط حقیقی کے ساتھ چنداں مناسبت نہیں رکھتا تو وہ ضرور خیر و برکت وغیرہ سے بے نصیب ہوگا۔ محل کے فساد سے مراد اس نظام کے اختلال سے نہیں بلکہ رُوح کے فساد سے مراد ہے جو اِن اجزاءِ مجتمع پر فائض ہوتی ہے۔ اگرچہ رُوح ذات کے لحاظ اس قسم کے اختلال و فساد سے خالی ہے۔ کیونکہ وُہ بسیط ہے۔ اور یہ اختلال و فساد مرکب میں ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے اِس کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ اپنی نہایت لطافت کے باعث اپنے مجاور اور ہمسایہ کا رنگ پکڑ لیتا ہے۔ بلکہ اپنے آپ کو اس میں گم کر کے اس کا عین معلوم کرتا ہے۔ پس وُہ خبث ہمنشینی کے باعث رُوح میں بھی اثر کر جاتا ہے۔ فرشتے شرارت وغیرہ سے پاک ہیں۔ کیونکہ وُہ بھی بسیط ہیں۔ اور مرکبات کے ساتھ جن کا انتظام خلل پذیر ہے ان کی کوئی مناسبت نہیں۔ اور اگر فرشتوں کے بعض افراد میں اِس کے جواز کو صحیح مان لیں تو اس کی وجہ بعض مرکبات کے ساتھ اِن کی کچھ کچھ مناسبت ہی ہوگی۔ مطلق طور پر مناسبت کا انکار کرنا ضد اور شوخی ہے۔ پس مَیں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کی ہوئی بسیط چیزوں میں ترکیب اور اجتماع بھی پیدا کر دیا۔ اور ان میں درجات کے موافق اختلاف پیدا ہو گیا یعنی ہر ایک اجتماع ایک خاص امر کا باعث ہُوا۔ اور جس طرح اِن میں سے ایک بسیط کسی امر کا مقتضی تھا۔ اِس اجتماع کے مقتضائی کو بھی پیدا کر دیا۔ پس وہ فساد اِس مرکب کی ذات کو لازم ہے۔ اور اس کا پیدا کرنا حق تعالیٰ کی ذات کے لازم ہے۔ اور اِس میں کوئی ڈر نہیں۔ کوئی شر اور نقص اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف رجوع نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ صرف اِن کا پیدا کرنے والا اور ایجاد کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قبح اور بُرائی کو پیدا کیا ہے۔ اِس کی ذات قبیح اور بُری نہیں۔ پس شرارت و فساد اِن کی طرف عاید ہے اور خیر و صلاح حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ یہ ہے مسئلہ قضا و قدر کا سر اِس تقدیر پر کوئی محذور و اعتراض لازم نہیں آتا۔ اور اس ایجاب کی آمیزش سے جو حق تعالیٰ کے اختیار کے منافی ہے پاک و صاف ہے۔ پس تجھے اِس کی متابعت کرنی چاہیئے۔ تاکہ تجھے اِس کا سر ظاہر ہو جائے۔ اور گمراہوں اور بدعتیوں کے بہت سے اعتقادوں سے تجھے نجات مل جائے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ یُحِقُّ الْحَقَّ وَ ھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ (اللہ تعالیٰ حق ظاہر کرتا ہے۔ اور راہِ راست کی ہدایت دیتا ہے) یہ وہ سر ہے جس کا

اللہ تعالیٰ نے مجھے الہام کیا۔ بلکہ اس کے ساتھ مجھے خاص کیا۔ اللہ تعالیٰ کے ابدی الدوام اور باقی نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔ اگر کوئی سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے جانتا تھا۔ کہ اس قسم کی ترکیب فساد اور خبث کو مستلزم ہوگی پھر کیوں اس کو پیدا کیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض ان لوگوں پر وارد ہوتا ہے جو اصلاح حق تعالیٰ پر واجب جانتے ہیں۔ اور ہم کو حق تعالیٰ پر کسی شے کو واجب نہیں جانتے۔ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ (کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ اور حکم کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس سے پوچھے کہ یہ کام کیوں کیا۔ لیکن وہ پوچھ سکتا ہے کہ تم نے یہ کیوں کیا) کچھ شک نہیں کہ پیدا کرنے کے بعد وہ مرکب اس قسم کے فساد اور خبث کا موجب بن گئی اور اس لازم کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ سے پیدا کیا۔ نہ کہ ایجاب اور محکوم ہونے کے طور پر جیسے کہ بعض لوگوں نے گمان کیا ہے۔ حق تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہے بندوں کا اس پر کوئی حکم نہیں تا کہ وہ کسی کا محکوم ہو اور بندہ محکوم اس کا حاکم بن جائے۔ پس فساد کا باعث وہی مخلوق ہے اور اس کا پیدا کرنے والا حق تعالیٰ ظلم کی آمیزش اور ایجاب کے لوازم اور محکومیت کے نقص سے منزہ اور مبرا ہے۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا (اللہ تعالیٰ اس سے جو کہ لوگ کہتے ہیں بہت ہی بلند شان والا ہے) حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

معرفت۔ جاننا چاہئے کہ مقامات ولایت و شہادت و صدیقیت میں سے ہر ایک مقام کے علوم و معارف جدا جدا ہیں جو اس مقام کے مناسب ہیں۔ مرتبہ ولایت میں علوم سکر سے بہت ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس مرتبہ میں سکر غالب ہوتا ہے۔ اور صحو مغلوب۔ مرتبہ شہادت میں جو درجات ولایت میں سے دوسرا درجہ ہے سکر مغلوب ہوتا ہے اور صحو غالب۔ لیکن سکر بالکل دور نہیں ہوتا اور درجہ صدیقیت میں جو مراتب ولایت میں سے تیسرا مرتبہ ہے اور ولایت کے درجوں میں سے نہایت اعلیٰ ہے۔ جس کے اوپر ولایت کا کوئی درجہ نہیں اس درجے کے اوپر نبوت ہی ہے اس درجہ کے علوم سکر سے بالکل نکلے ہوئے ہیں۔ اور علم شرع کے موافق ہوتے ہیں۔ صدیق انہی علوم شرعیہ کو الہام کے طور پر اخذ کرتا ہے اور نبی بطریق وحی

حاصل کرتا ہے۔ صدیق اور نبی میں فرق صرف اخذ کے طریق میں ہے نہ کہ ماخذ میں کیونکہ دونوں حق تعالیٰ سے اخذ کرتے ہیں۔ لیکن صدیق نبی کے اتباع سے اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ نبی اصل ہے اور صدیق اس فرع۔ نیز نبی کے علوم قطعی ہوتے ہیں اور صدیق کے علوم ظنی۔ نیز نبی کے علوم غیر پر حجت ہیں اور صدیق کے علوم غیر پر حجت نہیں ؎

در قافلۂ کہ اوست دانم نرسم ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

ترجمہ: میں جانتا ہوں کہ وہ جس قافلہ میں ہے میں وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ مجھے اتنا ہی کافی ہے کہ میں دور سے ان کے گھنٹوں کی آواز سنتا رہوں۔ صلوٰۃ اللہ تعالیٰ وتسلیماتہٗ نبیلینا وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین وعلی الملائکۃ المقربین وعلیٰ اہل طاعتہ اجمعین +

پس اگر اس رسالہ میں بعض علوم و معارف باہم تنافی اور تباین یعنی اختلاف کے طور پر واقع ہوئے ہوں تو معصوم کے اختلاف کو درجات ولایت کے اختلاف پر عمل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ہر درجہ کے علوم جدا ہیں۔ جیسے کہ تحقیق ہو چکی۔ علوم توحید درجہ ولایت کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور اگر تو درجہ شہادت کے علوم سے ان کو الگ پہچاننا چاہیئے تو اس معرفت کو جو آیت کریمہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْئٌ وَّ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ کے بیان میں مذکور ہے دیکھ لے۔ کہ اس مقام کے علوم مرتبہ شہادت کے علوم میں سے ہیں۔ چونکہ سالک اس مقام میں اپنے آپ کو اور اپنے صفات کو میت معلوم کرتا ہے۔ اس لئے اس مقام کو شہادت سے ملقب کرتے ہیں۔ اور علوم صدیقیہ بعینہ علوم شرعیہ ہیں۔ جیسے کہ اوپر گذر چکا اور صحیح اور معتبر علوم وہی ہیں جو علوم شرعیہ کے مطابق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل شریعت روشن پر ثابت قدم رکھے آمین +

معرفت۔ جو کچھ ہم پر ضروری ہے وہ یہ ہے کہ قلب حق تعالےٰ کے ماسوا کی گرفتاری سے سلامتی حاصل کرے۔ یہ سلامتی اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ دل پر حق تعالےٰ کے ماسوا کا گذر نہ رہے۔ اگر ہزار سال تک بھی زندہ رہیں تو بھی دل پر اس نسیان کے باعث جو اس کو ماسوا سے حاصل ہوا ہے۔ غیر کا گذر نہ ہو۔ اصل مقصود یہی ہے باقی سب ہیچ ہے۔ بعض بزرگ مشائخ نے فرمایا ہے کہ وہ چیز جو آخر میں صدیقین کے سروں سے نکلتی ہے وہ جاہ اور ریاست کی محبت ہے بعض

نے اس جاہ و ریاست کے معنی مشہورہ و متعارف معنی کے برخلاف لئے ہیں اور کہا ہے کہ جاہ و ریاست کی محبت مقام صدیقیت کے اوّل قدم میں نکل جاتی ہے۔ اور جو کچھ اس حقیر کے نزدیک تحقیق ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ایک قسم کی حب جاہ و ریاست نفس کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جب تک یہ بُری خصلت نفس سے نہ نکلے تب تک اس کا تزکیہ نہیں ہوتا۔ اور جب تک اس کا تزکیہ نہ ہو جائے مقام ولایت تک نہیں پہنچتا۔ پھر مقام صدیقین کا کیا ذکر ہے۔ قائل کی مراد اس قسم کا جاہ و ریاست نہیں۔ اور جاہ و ریاست کی ایک اور قسم ہے جو لطیفہ قالب کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ جس کا ناری جزو بلندی اور رفعت چاہتا ہے۔ اور اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ (مَیں اس سے بہتر ہوں) کی صدا اس سے نکلتی ہے۔ اس قسم کی جاہ و ریاست نفس کو اطمینان حاصل ہونے اور مرتبہ ولایت تک پہنچنے بلکہ مرتبہ صدیقیت کے حاصل ہونے کے بعد متحقق ہوتی ہے۔ قائل کی مراد اسی قسم کی جاہ و ریاست ہے جس کا نکلنا مقام صدیقیت کے نہایت پر وابستہ ہے۔ اور محمدی المشرب اولیا کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور شیطان کا اسلام جس کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یوں خبر دی ہے کہ اَسْلَمَ شَیْطَانِیْ (میرا شیطان بھی اسلام لایا ہے) اسی مقام عالیہ پر وابستہ ہے۔ جیسے کہ اس مقام کے جاننے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے) وصلے اللہ تعالےٰ علیٰ سیدنا محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین وبارک وسلم۔

معرفت۔ جاننا چاہئے کہ اوّل اوّل اللہ تعالیٰ کی عنایت نے مجھے اس طرح کھینچا جس طرح مرادوں کو کھینچتے ہیں۔ پھر اس کے بعد منازل سلوک کا طے کرنا مجھ پر آسان ہو گیا۔ پس مَیں نے پہلے اللہ تعالےٰ کو اشیاء کا عین معلوم کیا۔ جیسے کہ متاخرین صوفیہ میں سے توحید وجودی والے لوگوں نے کہا ہے۔ پھر مَیں نے اللہ تعالےٰ کو اشیاء میں بغیر حلول و سریان کے پایا۔ پھر مَیں نے اللہ تعالےٰ کو اشیاء کے ساتھ معیت ذاتی کے طور پر پایا۔ پھر مَیں نے اللہ تعالےٰ کو اشیاء کے بعد پھر اشیاء سے پہلے معلوم کیا۔ پھر مَیں نے صرف اللہ تعالےٰ کو دیکھا اور اشیاء میں سے

کسی شے کو نہ دیکھا توحید شہودی کے یہی معنی ہیں۔ اسی کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ پہلا قدم ہے جو ولایت کے اطوار میں رکھا جاتا ہے جیسے کہ گزر چکا۔ یہ رویت مراتب مذکورہ میں سے خواہ کسی مرتبہ میں ہو پہلے آفاق میں حاصل ہوتی ہے۔ پھر انفس میں۔ پھر میں نے اس بقا کی طرف ترقی کی جو ولایت میں دوسرا قدم ہے۔ پس میں نے دوبارہ اشیاء کو دیکھا۔ اور اللہ تعالےٰ کو ان کا عین بلکہ اپنے نفس کا عین معلوم کیا۔ پھر میں نے اللہ تعالےٰ کو اشیاء میں بلکہ اپنے نفس کے ساتھ پھر اشیاء کے آگے بلکہ اپنے نفس کے آگے معلوم کیا۔ پھر میں نے اللہ تعالےٰ کو اشیاء کے بعد بلکہ اپنے نفس کے بعد معلوم کیا۔ پھر میں نے صرف اشیاء کو دیکھا اور بالکل اللہ تعالےٰ کو نہ دیکھا۔ یہی وہ نہایت ہے جو بدایت کی رجوع اور عوام کی خواہش کی طرف عود کرنا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جو خلق کو حق تعالےٰ کی طرف بلانے کا مقام ہے۔ اور تکمیل و ارشاد کے مراتب میں سے زیادہ اکمل و اتم ہے۔ اور ان بزرگواروں کا مقام ہے۔ جن کی ان اخلاق و عادات کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوتی ہے جن پر کمال ہدایت اور استفادہ موقوف ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے) یہ سب احوال مذکورہ اور کمالات مسطورہ مجھے حضرت افضل الانبیاء اور اکمل البشر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی طفیل حاصل ہوئے۔ بلکہ جو کوئی واصل ہوا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی طفیل واصل ہوا ہے۔ یا اللہ تو ہمیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر ثابت قدم رکھ اور انہی کے گروہ بزرگ میں اٹھا۔ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم۔ اللہ تعالےٰ اس بندے پر رحم کرے جو آمین کہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا) +

معرفت۔ سلسلہ علیہ نقشبندیہ اپنی کئی قسم کی فضیلتوں کے باعث دوسرے سلسلوں سے جدا ہے۔ اور دوسرے طریقوں پر اس کی زیادتی کئی گنا ظاہر ہے۔ یہ طریقہ برخلاف دوسرے طریقوں کے حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر ختم ہوتا ہے۔ جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام بنی آدم سے افضل ہیں۔

اِس طریق میں برخلاف دُوسرے طریقوں کے نہایت ہدایت میں مندرج ہے۔ وُہ شہود جو اِن بزرگوں کے نزدیک معتبر ہے وُہ شہود دائمی ہے جس کو یادداشت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور وُہ شہود جس میں دوام نہیں وُہ اِن کے نزدیک اعتبار سے خارج ہے۔ برخلاف دُوسرے طریقوں کے۔ اور اس طریق میں منازل کا طے کرنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی متابعت کے بغیر میسر نہیں برخلاف دُوسرے طریقوں کے کہ تھوڑی سی متابعت اَور ریاضتوں اَور مجاہدوں کی امداد سے منازل کو قطع کرتے ہیں۔ یہ دعویٰ دلیل مانگتا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ یہ بزرگوار جذبہ کی مدد سے راہ طے کرتے ہیں۔ اَور دُوسرے طریقوں میں سخت ریاضتوں اور کٹھن مجاہدوں سے منازل کو طے کرتے ہیں۔ جذبہ محبُوبیت کو چاہتا ہے۔ جب تک محبُوب نہ ہوں جذب نہیں کرتے۔ محبُوبیت کا حاصل ہونا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر وابستہ ہے۔ آیت کریمہ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (میری متابعت کرو اللہ تعالےٰ تمہیں اپنا دوست بنالے گا) اِس مطلب پر گواہ ہے۔ پس جس قدر متابعت زیادہ کامل ہوگی اسی قدر جذبہ زیادہ ہوگا اَور جس قدر جذبہ زیادہ ہوگا اسی قدر منزلوں کا طے کرنا جلدی اَور زیادہ آسان ہوگا۔

پس کامل متابعت اِن بزرگواروں کے طریق میں شرط ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اِنہوں نے حتی المقدور عزیمت پر عمل کو اختیار کیا ہے۔ حتیٰ کہ ذکر جہر سے بھی جو طریقت میں عمدہ بات ہے منع کیا ہے اور سماع و رقص سے جو اربابِ احوال کا خلاصہ ہے پرہیز فرمائی ہے۔ اَور ظاہر ہے کہ جو کمال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی متابعت پر مترتب ہوگا۔ تمام کمالات سے اعلیٰ اور اس سے بڑھ چڑھ کر ہوگا۔ اسی واسطے اِن بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ہماری نسبت سب نسبتوں سے بڑھ کر ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اللہ تعالےٰ بڑے فضل والا ہے) کیونکہ پس طالبانِ حق کے لئے اِس طریقہ کا اختیار کرنا بہت ہی بہتر اَور مناسب ہے۔ کیونکہ یہ راستہ نہایت ہی نزدیک ہے۔ اور مطلوب نہایت بلندی میں ہے۔ اللہ تعالےٰ توفیق بخشنے والا ہے۔

معرفت۔ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم تمام اولادِ آدم کے

سردار ہیں۔ قیامت کے دن اوروں کی نسبت اِن کے فرمانبردار زیادہ ہوں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولین و آخرین کی نسبت زیادہ عزت والے ہیں۔ وہ سب سے پہلے ہیں۔ جو قبر سے نکلیں گے۔ اور وہ پہلے ہیں۔ جو شفاعت کرینگے۔ وہی سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ اِن کے لئے دروازہ کھول دے گا۔ قیامت کے دن لواءِ حمد انہی کے ہاتھ ہوگا۔ جس کے نیچے تمام انبیاء و آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوں گے۔ اور وہ وہی ہیں۔ جنہوں نے فرمایا ہے کہ ہم ہی آخرین سابقین ہیں۔ میں یہ بات بلا فخر کہتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کا دوست اور مرسلین کا پیشوا ہوں اور اس میں کوئی فخر نہیں۔ میں خاتم النبیین ہوں۔ اور کوئی فخر نہیں۔ میں محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جب خلق کو پیدا کیا تو مجھے اِن میں سے اچھوں میں پیدا کیا۔ پھر اِن کو اللہ تعالیٰ نے دو گروہ بنایا۔ مجھے اِن دونوں میں سے بہتر گروہ میں بنایا۔ پھر ان کو قبیلہ قبیلہ بنایا۔ پس مجھے اِن میں سے بہتر قبیلہ میں بنایا۔ پھر ان کو گھرانوں میں تقسیم کیا۔ پس میں ان سب سے گھرانہ اور نفس کے لحاظ سے بہتر ہوں۔ میں سب لوگوں سے اوّل نکلوں گا۔ جب وہ قبر سے نکالے جائیں گے۔ میں اُن کا خطیب ہوں گا جب کہ وہ چپ کرائے جائیں گے۔ میں اُن کا شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ جب کہ وہ گھبراہٹ میں ہونگے۔ میں اُن کو خوشخبری دینے والا ہوں گا۔ جب وہ ناامید ہونگے اُس دن جنت کی کنجیاں میرے ہاتھ ہوں گی۔ حمد کا جھنڈا اُس دن میرے ہی ہاتھ میں ہوگا۔ میں اپنے رب کے نزدیک تمام اولادِ آدم سے عزت والا ہوں گا۔ ہزار خادم سفید موتیوں جیسے میرے گرد طواف کریں گے۔ جب قیامت کا دن ہوگا میں نبیوں کا امام اور اِن کا خطیب اور ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ اور اس میں کوئی فخر نہیں۔ واقعی اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ مخلوقات کو پیدا نہ کرتا۔ اور ربوبیت ظاہر نہ ہوتی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ نبی تھے۔ جب کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی کیچڑ اور پانی تھے ؎

نماند بعصیاں کسی در گرو   کہ دارد چنیں سیدے پیشرو

ترجمہ:۔ رہیگا گناہ میں وہ کیوں مبتلا   کہ ہوں آپ جس شخص کے پیشوا

پس اس شریعت غرا کے صاحب کے منکر اور اس ملت روشن کے بانی کے مخالف تمام مخلوقات میں بد بخت ہیں۔ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا (اعراب کفر اور نفاق میں سخت ہیں) ان کے حال کا نشان ہے۔ بعض کچے اور ناتمام درویشوں پر تعجب آتا ہے جو اپنے خیالی کشف پر اعتبار کر کے اس شریعت کے انکار اور مخالفت پر جم جاتے ہیں۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اگر زندہ ہوتے تو باوجود کلیم و مقرب ہونے کے اس شریعت کی متابعت کرتے۔ ان بے سر و سامان فقیروں کی کیا مجال ہے کہ شریعت کی مخالفت کریں۔ سوائے اس کے کہ اپنے آپ کو خراب کریں اور الحاد اور زندقہ کے داغ سے داغدار ہوں۔ اس سے زیادہ تر تعجب کی یہ بات ہے کہ اچھے اچھے صاحب تمیز اور ذی ہوش لوگ بھی ان لوگوں کی متابعت کرتے ہیں اور شریعت کا کوئی لحاظ نہیں کرتے۔ اور باوجود نقصان ظاہر کے ان کو کامل اور مکمل جانتے ہیں۔ شاید ان نظروں میں ان کی باتیں شریعت کے مخالف ہرگز دکھائی نہیں دیتیں۔ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا (کیا ایسا شخص دیکھا ہے جس کے برے عمل اس کے لئے زینت دیئے گئے۔ پس اس نے ان کو نیک و اچھا معلوم کیا) یا ان کی باتوں کو شریعت کے مخالف تو جانتے ہیں۔ لیکن خیال کرتے ہیں کہ حقیقت شریعت کے مخالف ہے۔ یہ عین الحاد اور زندقہ ہے۔ جس حقیقت کو شریعت نے رد کیا وہ عین زندقہ ہے۔ یہ فقیر ان لوگوں کے بعض کشفیہ عقاید کو لکھتا ہے۔ ذرا انصاف کے ساتھ دیکھیں کہ کس قدر شریعت کے مخالف ہیں۔ جو صحیح تاویل کے قابل بھی نہیں ہیں۔ ان لوگوں کا شیخ رئیس اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ روح انسانی حق تعالیٰ کی ذات کا عین ہے۔ اور ان دو آیتوں کو اس دلیل پر لاتا ہے۔ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا۔ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا۔ ایک آیت میں رب فرماتا ہے اور دوسری آیت میں روح اور رب دونوں ایک ہی ہیں۔ اور یہ اتحاد توحید وجودی کی قسم سے نہیں ہے۔ کیونکہ روح کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ تمام جہان اس اتحاد میں مساوی اور برابر ہیں۔ دوسری جگہ لکھتا ہے۔ کہ ابدالوں کی ایک قوم ہے جو غار میں رہتے ہیں۔ وہ ستر آدمی ہیں جو قیامت تک رہیں گے۔ ان کے لئے موت نہیں۔ وہ اپنا طبعی وجود رکھتے ہیں۔ یہ بات بھی نص صحیح كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (ہر جی موت چکھنے والا ہے)

کے برخلاف ہے۔ ایک اور جگہ آخرت کے احوال میں لکھتا ہے کہ مبدء سے معاد تک دو عالم ہیں۔ دُنیا اور آخرت۔ اور ان دونوں عالموں میں سے ہر ایک نے چھ مرتبوں سے ترتیب پائی ہے۔ دُنیا میں نزول کے طور پر اور آخرت میں ترقی کے طور پر۔ اور ترقی کی ترتیب کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ زمین پارہ پارہ ہو کر اس کے اجزاء پانی میں گھل جائیں گے پس اسی طرح تمام مخلوقات پانی میں غرق ہو جائیں گے۔ اور صاحب شرع فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن تمام مخلوقات پسینے میں غرق ہوں گے۔ غرق مراد اس طوفان سے ہے جو اس وقت ترقی کا محل ہوا ہو گا۔ کہ سب لوگ احدیت کی طرف متوجہ ہوں گے۔ جو دُنیاوی حیات کے مراتب کا مبدء ہے۔ آیت کریمہ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ زمین دوسری زمین سے بدل جائے گی نہ یہ کہ بالکل زائل ہو جائے گی۔ کیونکہ پھر اس کا بدل کیا ہو گا۔ اور پھر اپرده عزت الٰہی کی طرف متوجہ ہوں گے۔ لیکن ہر شخص اپنی اپنی شناخت اور دریافت کے موافق مراتب میں سے کسی نہ کسی مرتبہ میں ہو گا۔ اور تمام خلق تین فرقہ ہو گی۔ سابقین۔ اصحاب یمین۔ اصحاب الشمال۔ پھر بعد ازاں لکھتا ہے۔ کہ پانی بھی ہوا کے خوف سے جو آگ کی گرمی سے گرم ہوئی ہو گی۔ خشک ہو کر سب ہوا ہو جائے گا۔ ہول قیامت اسی مرتبہ سے مراد ہے۔ اکثر خلائق تشنہ لب اور پیاسے رہیں گے۔ بعد ازاں ہوا بھی کرۂ ناری کی حرارت کی گرمی سے آگ بن جائیگی۔ سب لوگوں کو اس آگ کے اُوپر سے گذرنا ہو گا۔ دوزخ مراد اسی عنصر سے ہے جو سب آگ بنا ہو گا۔ اور فلک قمر کے نیچے ہے۔ دوزخ کے مراتب میں سے ہر مرتبہ میں بعض لوگ اپنے عمل اور حجاب کے بموجب عذاب اور عقاب میں گرفتار ہوں گے۔ جو لوگ اس آگ پر سے گذر جائیں گے وہ نور میں پہنچ جائیں گے۔ بہشت مراد اسی عالم نور سے ہے۔ کہ آسمان کے طبقات میں سے ہر ایک طبقہ بہشت کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے۔ اور فلک قمر سے لیکر عرش کے نیچے تک آٹھوں آسمان آٹھوں بہشت ہیں۔ بعض لوگ اسی مرتبہ میں رہیں گے اور اسی راحت و آرام پر راضی ہوں گے۔ یہ سب کچھ اُن کے عملوں کے موافق ہو گا۔ اور بعض اولیاء کرام اور انبیاء عظام اس مرتبہ سے گذر جائیں گے۔ اور لقاء و دیدار کی طرف متوجہ اور وصال کے منتظر ہوں گے۔

نہ اِن کو آگ کی گرمی کا اثر پہنچے نہ نور کی راحت کی تاثیر ہمیشہ دیدار الٰہی میں مستغرق ہونگے۔ مقام محمود اِن کا مقام ہوگا۔ قاب قوسین او ادنیٰ اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے یہ مرتبہ عرش کے اوپر ہے۔ اس کی شان میں حدیث واقع ہے۔ اِنَّ لِلّٰہِ جَنَّةً لَیْسَ فِیْھَا حُوْرٌ وَّ لَا قُصُوْرٌ فِیْھَا یَتَجَلّٰی رَبُّنَا ضَاحِکًا (اللہ تعالیٰ کا ایک جنت ہے جس میں نہ حور نہ قصور۔ اللہ تعالیٰ اس میں ہنستے ہوئے تجلی کرے گا) جو شخص ادنیٰ تمیز بھی رکھتا ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ یہ باتیں شریعت کے مخالف ہیں یا نہیں۔ دوزخ سے مراد اس کرہ ناری سے لی جس میں زمین۔ پانی۔ ہوا گم ہوں گے بہشت سے مراد وہ نور لیا جو آسمان اوّل سے لیکر عرش کے نیچے تک ہے۔ انبیاء اور اولیا کے لئے عرش کے اوپر جگہ ثابت کی نہ کہ بہشت میں۔ یہ باتیں بھی صریح طور پر شریعت کے مخالف ہیں۔ اہل سنت و جماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ دوزخ اور بہشت اب بھی موجود ہیں۔ اور انبیا اور اولیا اور باقی تمام مومنین اپنے اپنے درجوں کے موافق بہشت میں رہینگے نہ یہ کہ بہشت سے عرش کے اوپر چلے جائیں گے۔ اور وہاں ٹھیرے رہیں گے یہ باتیں صرف تخیلات اور عقلی ڈھکوسلے ہیں، کیونکہ ان باتوں میں بہشت میں دیدار الٰہی کے وجود کا انکار ہے۔ کیونکہ اس نے کہا ہے کہ عرش کے اوپر جا کر لقا کے منتظر رہیں گے۔ اور عرش کے اوپر اس نے ایسا جنت بنایا ہے جس میں حور و قصور نہیں۔ پس تمام مومنین دیدار سے بے نصیب رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کے بیہودہ خیالات سے بچائے۔ مقام محمود جو رسولِ کریم صلے اللہ علیہ سلم کے ساتھ خاص ہے۔ اسی طرح مقام اَوْ اَدْنیٰ تمام انبیا و اولیا کے نصیب کیا ہے۔ اس بات میں بلا مرتبہ زیادتی ہے نیز مذکورہ بالا باتوں سے مفہوم ہوتا ہے کہ وہ کافروں کے عذاب کو بھی ابدی نہیں جانتا۔ اور اسی طرح بہشتی ناز و نعمت و آرام کو بھی دائمی نہیں جانتا۔ یہ بھی کفر صریح ہے۔ اس امر پر اس کی وہ عبارت دلالت کرتی ہے۔ جو عذاب و ثواب کے بارہ میں پہلے گذر چکی کہ عمل کے موافق ہوگا۔ سیاق عبارت میں بھی اس کی تصریح ہے۔ صاحب فصوص جس نے دائمی عذاب میں صرف گفتگو کی ہے نہ اس پر لوگوں نے طعن کیا ہے تو جو شخص دائمی عذاب کا انکار کرے اس پر کیوں نہ طعن ہوگا۔ اس مقولہ کے آگے لکھتا ہے کہ بعدہٗ جب ہائی ہویت سے ذات کا آفتاب احدیت کے دریچہ

سے اِن پر چمکیگا تمام اولین وآخرین مخلوق جو نار کے مراتب میں محجوب ہوں گی اور جو نور کے مقام میں مستور ہوں گے اور وہ لوگ جو مقام محمود میں ساکن ہوں گی۔ سب اِس جمال کے پرتو میں گم ہوجائیں گے۔ اور دریائے لاہوت میں نیست و نابود ہوجائینگے۔ نہ بہشت کا اثر رہے گا نہ دوزخ کا شرارہ۔ پھر نہ جلنا ہوگا نہ آرام۔ نہ حیرانی نہ انتظار۔ نہ حیات نہ موت سب ذات ہی ذات ہوجائیں گے۔ اور جس طرح ازل میں تھے اسی طرح ابدی ہوجائیں گے۔ بعدازاں پھر وہی دو عالم یعنی عالم نور جس میں بہشت کے طبقات ہیں۔ دوسرے عالم نار جس میں دوزخ کے درجات ہیں۔ جلال وجمال کی تجلی میں ظہور کرینگے۔ جیسے کہ ابتدا میں عالم ان دونوں صفتوں کی تجلی سے ظہور میں آیا تھا۔ لیکن پہلے بالامکان تھا۔ اس وقت بالوجوب ہوگا۔ اہل بہشت اپنے مرتبہ میں ہمیشہ کے آرام سے رہیں گے۔ اور اہل دوزخ اپنے ٹھکانے میں دائمی عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ اس کے بعد کسی اور تجلی کا ظہور نہ ہوگا۔ اور ذات کسی کی تعین کی طرف منسوب نہ ہوگی۔ اِن باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہشت و دوزخ آخرت میں اِن کے اندر داخل ہوجانے کے بعد زائل ہوجائیں گے۔ اب ذرا سوچنا چاہیئے کہ یہ باتیں کفر تک پہنچاتی ہیں یا نہیں۔ اور وہ جو اِن کے زائل ہونے کے بعد اِن کو حاصل ہوگا اس کو بالوجوب کہتا ہے۔ اور دنیا کے ظہور کو بالامکان کہتا ہے۔ سوچنا چاہیئے کہ بہشت اور دوزخ والوں کو واجب کہنا کفر ہے یا نہیں۔ نیز اِس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ انبیاء و اولیا ہمیشہ حق تعالےٰ کی ذات میں زائل اور مضمحل رہیں گے اور ان کے عدم کا ہرگز وجود نہ ہوگا۔ یہ بات بھی کفر صریح ہے۔ انبیا اور اولیا ہمیشہ بہشت میں رہیں گے۔ نیز اس کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیا و اولیا سابقین میں سے ہیں۔ اور سابقین عرش کے اوپر رہیں گے جہاں نہ حور ہے نہ قصور نہ نعمت ہے نہ راحت یہ بات بھی نص قطعی کے مخالف ہے۔ حق تعالےٰ سابقین کے بارہ میں نعمت و راحت ثابت کرتا ہے۔ اور حور عین کا بھی اثبات فرماتا ہے۔ اِس شخص نے ان تمام نعمتوں اور راحتوں کو جو قرآن مجید میں سابقین کے بارہ میں آچکی ہیں۔ اہل یمین کے حق میں ثابت کی ہیں۔ اور سابقین کو اِن سے محروم رکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص قرآن مجید سے بالکل جاہل ہے۔ اور اِس کتاب کے اخیر میں ایک مستزاد لکھتا ہے اور توحید

وجودی میں شیخ عطار اور مولوی روم کی تقلید کرتا ہے۔ اور اس مثنوی میں لکھتا ہے کہ خدا شیطان بھی ہو جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک حق تعالےٰ کو اس قسم کے اطلاق سے یاد کرنا بہت ہی بُرا اور کفر سے بھی بڑھ کر ہے۔ توحید وجودی والے اگرچہ ہمہ اوست کہتے ہیں۔ لیکن اس قسم کے بُرے اطلاق کو جائز نہیں جانتے۔ شرع میں حق تعالےٰ کو تمام اشیاء کا پیدا کرنے والا کہہ سکتے ہیں۔ مگر نجاست اور پلیدی کا پیدا کرنے والا نہیں کہتے۔ اس کی عبارت میں غور کرنے سے اس قسم کی باتیں بہت ظاہر ہو سکتی ہیں لیکن تھوڑا بہت پر دلالت کرتا ہے۔ مصرعہ

سالے کہ نکو است از بہارش پیداست

ترجمہ :۔ جیسی بہار ویسا سال۔

اس شخص کی یہ چند بیہودہ باتیں اس رسالہ میں لکھی گئی ہیں۔ تاکہ لوگ اس کے بدعقیدے سے واقف ہو جائیں۔ اور اس کی تقلید کر کے ملحدوں کے گروہ میں داخل نہ ہو جائیں۔ اور اگر باوجود اس منع کرنے کے پھر بھی ان لوگوں کی تقلید کا راستہ اختیار کریں گے یہ باتیں ان پر حجت ہوں گی۔ اول و آخر اللہ تعالےٰ کی حمد ہے۔ اور ہمیشہ حضرت محمد رسول اور ان کی آل و اصحاب پر صلوٰۃ و سلام ہو +

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اُس شخص پر جس نے متابعت کا راستہ اختیار کیا +

تمام شد

(حمایت اسلام پریس لاہور)

تصوف پر ہماری مقبول ترین کتابیں

ہشت بہشت

آٹھ اکابر حضرات چشتیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے حالات و ملفوظات کا مجموعہ جن کے پڑھنے سے نور ایمان حاصل ہوتا ہے۔ اور روح کو تازگی ملتی ہے۔ کتاب چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ آخر میں ہدیہ اور درود تفسیر یہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ قیمت :- مجلد سنہری ڈائیدار [redacted] روپے

گلشن راز

دل جس چیز کا متمنی تھا۔ آنکھیں سراپا انتظار تھیں۔ جی جس کے دیکھنے اور پڑھنے کو ترستا تھا۔ وہ یہی کتاب ہے جس کو شرح گلشن راز یعنی بوستان اسرار کہتے ہیں۔ یہ تصوف کی ڈکشنری یعنی ترجمان اصطلاحات صوفیہ ہے سوال و جواب کی شکل میں راز سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ قیمت :- [redacted]/۰۰ روپے

تعلیم غوثیہ

مرشدنا و مولانا واقف رموز شریعت حضرت سید غوث علی شاہ صاحب قلندر پانی پتی کی لاجواب تصنیف۔ کتاب تین ابواب۔ (۱) در تعلیم علم الیقین (۲) در بیان عین الیقین اور (۳) در تلقین حق الیقین و بیان اقلیم حقیقت پر مشتمل ہے۔ نہایت لاجواب کتاب ہے۔ قیمت :- [redacted]/۰۰ روپے مجلد ڈائیدار

تعویذات و عملیات صوفیہ

تعویذات اور عملیات پر پرانی قلمی کتاب کو طبع کرایا گیا ہے۔ حضرت محمد عبدالرحمن عرف محمد آزاد بخت صاحب چشتی القادری صاحب نے ہر قسم کے تعویذات و عملیات ایک جگہ کر کے یہ کتاب ایک بیش خزانہ بنا دی ہے۔ نہایت قابل تعریف کتاب ہے۔ قیمت :- فی جلد ۔ [redacted]/۰۰ روپے۔ مجلد

ملنے کا پتہ : اللہ والے کی قومی دکان ۔ رجسٹرڈ ۔ بازار کشمیری ۔ لاہور

تاریخ خرید: مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۸۳ء عیسوی ۹ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ

سلسلہ تصوف نمبر ۱۳۷

اردو ترجمہ کتاب

مبدأ و معاد

از تصنیف لطیف

غوث صمدانی قطب ربانی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح

جسے

مالک اللہ والے کی قومی دکان

ملک چنن الدین خلف الرشید ملک فضل الدین صاحب نقشبندی مجددی تاجران کتب منزل نقشبندیہ

کوچہ ککے زئیاں - بازار کشمیری لاہور

نے بصرف زر کثیر با محاورہ اردو ترجمہ کرا کر نہایت صحت کے ساتھ چھپوائی

سلسلہ تصوف نمبر (۱۳)

اردو ترجمہ کتاب

مبدأ و معاد

غوث صمدانی قطب ربانی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

جسے

اللہ والے کی قومی دکان (درجسٹرڈ)

مالک ملک چنن الدین تاجر کتب قومی بازار کشمیری لاہور نے

بصرف زر کثیر فیض جویان دربار مجددیہ کی خاطر بامحاورہ اردو ترجمہ کراکر لاہور سے شائع کیا

بار دوم | تعداد ایک ہزار | قیمت ۲/۰۰

مبدأ و معاد

بدایت و نہایت بمعنی آغاز و انجام میں ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی تعریف کرتا ہوں۔ اور اس کے حبیب محمدؐ اور اس کی بزرگ اولاد پر درود کہتا ہوں۔ بعدازاں ناظرین باتمکین کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں۔ کہ اس رسالہ شریفہ میں، امام ہمام حجۃ اللہ علے الانام پیشوائے اقطاب و اوتاد۔ قبلہ ابدال و افراد۔ سبع مثانی (نورۂ خاتمہ) کے کاشف اسرار۔ مجدد الف ثانی۔ روحی۔ رحمانی۔ عارف ربانی شیخ الاسلام والمسلمین ہمارے شیخ اور ہمارے امام شیخ احمد فاروقی۔ حنفی۔ نقشبندی (خدا کرے آنحضرتؐ کی ہدایت کے آفتاب افق اعلےٰ پر چمکتے رہیں۔ اور لوگ آنحضرتؐ کے رفاضہ کے باغوں میں بڑھتے رہیں) کے اشارات لطیفہ وصافی اور اسرار دقیق و بلند مندرج ہیں۔ اللہ تعالےٰ مددگار ہے اور اس پر بھروسہ ہے +

منہا۔ جب مجھے راہ سلوک کی ہوس پیدا ہوئی۔ تو اللہ تعالےٰ جل شانہٗ کی عنایت نے مجھے خانوادہ نقشبندیہ کے ایک خلیفہ کی خدمت میں پہنچایا۔ جن کی توجہ کی برکت سے خواجگان کا جذبہ جو بلحاظ فنا صفت قومیت میں جا ملتا ہے۔ حاصل ہوا۔ اور اندراج النہایۃ فی البدایۃ کے طریق سے بھی ایک گھونٹ حاصل ہوا۔ اس جذبہ کے حاصل ہوجانے کے بعد سلوک شروع ہوا۔ اور یہ راہ میں نے اسد اللہ الغالب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روحانیت کی ترتیب سے اس انجام تک طے کی۔ یعنی اس اسم سے جو میرا پرورش کنندہ ہے۔ بعدازاں اس اسم سے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالےٰ سرہٗ کی روحانیت کی مدد سے قابلیت اولیٰ تک جس نے حقیقت محمدیہؐ سے

تعبیر کرتے ہیں - ترقی کی - وہاں سے اوپر حضرت فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روحانیت کی مدد سے عروج حاصل ہوا - وہاں سے آگے حضرت خاتم المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کی مدد سے مقام اقطاب محمدیہ، تک ترقی کی - یہ مقام 'قابلیت اولیٰ' کے مقام سے اوپر ہے یوں سمجھو کہ یہ مقام 'قابلیت اولیٰ' کا اجمال ہے اور قابلیت اولیٰ اس کی تفصیل ہے - اس مقام میں پہنچنے وقت حضرت خواجہ نقشبند کے خلیفہ حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار قدس اللہ تعالےٰ اسرارہم کی روحانیت سے بھی ایک طرح کی مدد مجھے ملی - قطب کا انتہائی عروج اسی مقام (اقطاب محمدیہ) تک ہوتا ہے - دائرہ ظلیت بھی اسی مقام پر ختم ہو جاتا ہے - بعدازاں یا تو خالص اصلی ہے - یا اصل اور ظل ملے ہوئے - یہ مقام افراد کے لئے مخصوص ہے - ہاں بعض قطب بھی افراد کی ہم نشینی کے سبب مقام ممتزج (جہاں اصل اور سایہ ملے جلے ہیں) تک ترقی کرتے ہیں - اور اصل وسایہ ملے ہوئے کو دیکھتے ہیں - لیکن محض اصل خالص تک پہنچنا یا اسے دیکھنا حسب درجہ افراد کا خاصہ ہے - یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے - جسے چاہے عنایت کرے - اللہ تعالےٰ صاحب فضل عظیم ہے - اس مقام اقطاب پر پہنچ کر جناب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم سے مجھے قطبیت ارشاد کی خلعت عنایت ہوئی - اور اس منصب سے مجھے سرفراز فرمایا بعدازاں پھر عنایت الٰہی جل شانہٗ وعم نوالہٗ کی عنایت میرے شامل حال ہوئی - اور اس مقام سے اوپر کی طرف ترقی نصیب ہوئی - حتےٰ کہ مجھے عنایت الٰہی نے اصل ممتزج (اصل وسایہ ملا ہوا) تک پہنچایا - اور وہاں بھی فنا وبقا نصیب ہوئی - جیسا کہ گذشتہ مقامات میں ہوتی آئی تھی - وہاں سے آگے مقامات اصل میں ترقی عنایت فرمائی - اور اصل الاصل تک پہنچا دیا - اس آخری عروج میں جو مقاماتِ اصل کا عروج ہے حضرت غوث اعظم محی الدین شیخ عبدالقادر قدس اللہ تعالےٰ سرہٗ الاقدس کی روحانیت کی مدد نصیب ہوئی جس نے اپنی قوتِ تصرف سے ان مقامات سے عبور کرا کے اصل الاصل میں پہنچا دیا - وہاں سے پھر جہان کی طرف لوٹایا - چنانچہ لوٹتے وقت ہر مقام سے عبور حاصل ہوا ×

مجھے یہ نسبت فردیت جس سے عروج اخیر مخصوص ہے - اپنے والد ماجد سے حاصل ہوئی
شیخ عبدالواحد بن زین العابدین رح
اور انہیں ایک بزرگ سے جن کو جذبہ قوی حاصل تھا - اور جو خوارق وعادات
حضرت شاہ کمال قادری قدس سرہٗ

میں شہرہ آفاق تھے ہاتھ آئی۔ لیکن مجھے شروع میں ضعف بصیرت اور اس نسبت کی قلت ظہور کے باعث اپنے آپ میں اس نسبت فردیہ کا ہونا معلوم نہ ہوتا تھا۔ جب سلوک کی منزلیں طے کیں۔ تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ نسبت شروع ہی میں مجھ میں تھیں۔ نیز مجھے عبادات نافلہ کی توفیق خصوصاً نماز نافلہ کا ادا کرنا بھی اپنے والد ماجد سے حاصل ہوا۔ اور انہیں یہ سعادت اپنے شیخ سے (شیخ عبدالقادر) جو سلسلہ چشتیہ سے منسوب تھے۔ حاصل ہوا۔ جب تک مَیں مقام اقطاب سے عبور نہ کر چکا مجھے علوم لدنی حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت سے حاصل ہوتے رہے۔ جب اس مقام سے عبور کر کے مقامات عالیہ میں ترقی کی۔ تو پھر اپنی حقیقت سے علوم اخذ کرنے لگا۔ اس وقت کسی غیر کی مجال نہ تھی۔ کہ بیچ میں دخل دیتا۔ نیز مجھے نزول کے وقت جس سے مراد "سیر عن اللہ باللہ" ہے۔ دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے مقامات میں عبور حاصل ہوا۔ اور ہر ایک مقام سے کافی حصہ لیا۔ اور ان مقامات کے مشائخ نے میرے کام میں میری مدد و اعانت کی۔ اور اپنی نسبتوں کے خلاصے مجھے عنایت فرمائے پہلے پہل اکابر چشتیہ سے اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مقام میں عبور واقع ہوا۔ اس مقام نے کافی حصہ حاصل ہوا۔ ان مشائخ عظام میں سے حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ کی روحانیت سے دوسروں کی نسبت زیادہ امداد فرمائی۔ واقعی اس مقام میں ان کی شان نہایت اعلےٰ ہے۔ اور آپ اس مقام کے سردار ہیں۔ بعد ازاں اکابر کبرویہ قدس اللہ تعالےٰ اسرارہم کے مقام میں گذر ہوا۔ یہ دونوں مقام یعنے چشتیہ و کبرویہ بلحاظ عروج برابر ہیں۔ لیکن یہ مقام (کبرویہ) نزول کے وقت شاہراہ کی دائیں طرف پڑتا ہے۔ اور پہلا (چشتیہ) بائیں طرف۔ یہ شاہراہ وہی ہے۔ جس سے بعض بڑے بڑے اقطاب ارشاد ہو کر مقام فردیت میں جاتے ہیں۔ اور وہاں سے نہایت النہایۃ میں پہنچتے ہیں۔ صرف افراد کی راہ اور ہے۔ بغیر قطبیت کے اس راہ سے نہیں گذر سکتے۔ یہ مقام (کبرویہ) مقام صفات اور اس شاہراہ کے مابین واقع ہے۔ گویا یہ دونوں مقاموں کا برزخ ہے۔ دونوں طرف سے اسے حصہ ملتا ہے۔ پہلا مقام (چشتیہ) شاہراہ کی دوسری طرف واقع ہے جو صفات سے بہت کم مناسبت ہے۔ اس کے بعد مجھے اکابر سہروردیہ کے مقام میں جو شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ سے اس طرف ہیں عبور حاصل ہوا۔ یہ مقام سنت نبوی

علے مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیات کے اتباع کے نور سے آراستہ اور مشاہدہ فوق الفوق کی نورانیت سے مزین ہے۔ توفیق عبادات اس مقام کی رفیق ہے۔ بعض سالک جو ابھی اس مقام تک نہیں پہنچے اور عبادات نافلہ میں مشغول ہیں۔ اور اس سے مطمئن ہیں۔ انہیں بھی اس مقام کی مناسبت کی وجہ سے اس مقام سے کچھ حصہ نصیب ہوتا ہے۔ عبادات نافلہ اصالتاً اسی مقام کے مناسب ہیں۔ دوسرے کیا مبتدی اور کیا منتہی سب اس مقام کی مناسبت کی وجہ سے بہرہ ور ہیں۔ یہ مقام (سہروردیہ) نہایت عجیب و بزرگ ہے۔ جو نورانیت اس مقام میں دیکھنے میں آئی ہے۔ دوسرے مقامات میں بہت کم دکھائی دیتی ہے۔ اس مقام کے مشائخ بہ سبب کمال اتباع عظیم الشان اور رفیع القدر ہیں۔ اپنے ہم جنسوں میں پورے طور پر ممتاز ہیں۔ جو کچھ ان بزرگوں کو اس مقام میں نصیب ہوا ہے۔ دوسرے مقامات میں گو وہ بلحاظ عروج اوپر ہی ہیں۔ میسر نہیں ہوتا۔ بعد ازاں مجھے مقام جذبہ میں اُتار لائے۔ اس مقام میں بے شمار جذبات کے مقامات شامل ہیں۔ وہاں سے بھی نیچے لائے۔ نزول کا آخری مرتبہ مقام قلب ہے جو حقیقت جامع ہے اور ارشاد و تکمیل اسی مقام پر نزول کرنے کے متعلق ہے جب اس مقام میں لائے۔ تو پیشتر اسکے کہ مجھے اس مقام میں استقرار حاصل ہو۔ پھر عروج نصیب ہوا۔ اس ولایت اصل کو سائے کی طرح پیچھے چھوڑا۔ اس عروج سے جو مقامات قلب میں ہوا استقرار حاصل ہوا +

منہا۔ قطب ارشاد جس میں فردیت کے کمالات بھی پائے جاتے ہیں۔ نہایت قلیل الوجود ہوتا ہے۔ کئی صدیوں بلکہ بے شمار زمانہ کے بعد اس قسم کا موتی ظاہر ہوتا ہے۔ جس کے نور ظہور سے تاریک دنیا روشن ہو جاتی ہے۔ اس کی ہدایت وارشاد بسیط عرش سے لے کر مرکز زمین تک تمام جہان کو حاصل ہوتا ہے جس شخص کو رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت حاصل ہوتے ہیں۔ اسی کی وساطت سے ہوتے ہیں۔ اس کے وسیلے بغیر براہ راست کسی کو یہ نعمت حاصل نہیں ہو سکتی گویا اس کا نور ہدایت سمندر کی طرح تمام جہان کو گھیرے ہوتا ہے۔ اور وہ ایک منجمد سمندر ہے۔ جو بالکل حرکت نہیں کرتا۔ جو شخص اس بزرگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کا مخلص ہوتا ہے یا وہ بزرگ کسی طالب کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو توجہ کے وقت

طالب کے دل میں گویا ایک سوراخ کھل جاتا ہے۔ جس کی راہ اس دریا سے توجہ اور اخلاص کے موافق سیرآب ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شخص ذکر الٰہی میں مشغول ہے۔ لیکن اس بزرگ (قطب ارشاد) کی طرف متوجہ نہیں۔ اگر انکار کی وجہ سے نہیں بلکہ اس واسطے کہ وہ اسے جانتا نہیں۔ تو بھی اسے اسی قسم کا فائدہ پہنچتا ہے۔ مگر پہلی صورت میں بہ نسبت دوسرے کے زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص قطب ارشاد کا منکر ہے یا وہ بزرگ اس سے ناراض ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی فکر الٰہی میں مشغول ہے پھر بھی رشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم رہتا ہے۔ وہی اس کا انکار اس کے فیض کا سد راہ ہوتا ہے۔ خواہ قطب ارشاد اسے فائدہ نہ پہنچانے کے لئے یا نقصان پہنچانے کی توجہ نہ ہی کرے۔ ایسے شخص کو ہدایت کی حقیقت میسر نہیں ہو سکتی۔ گو اسے رشد کی صورت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن محض صورت سے کیا کام نکل سکتا ہے۔ صورت بے معنی سے بہت تھوڑا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ جو لوگ قطب ارشاد کے محب و مخلص ہوتے ہیں۔ گو وہ ذکر الٰہی اور توجہ مذکور سے خالی ہی ہوں۔ تو بھی محض محبت کی وجہ سے رشد و ہدایت کا نور پہنچتا ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ ۰

منہا۔ پہلے پہل جو دروازہ میرے لئے کھولا گیا۔ وہ یافت کا ذوق تھا۔ نہ کہ یافت بعد ازاں دوسرے درجے پر یافت نصیب ہوئی۔ تو ذوق یافت مفقود ہو گیا تیسرے درجے پر یافت بھی ذوق یافت کی طرح مفقود ہو گئی۔ دوسری حالت حالت کمال اور ولایت خاصہ کے درجے کا حاصل کرنا ہے۔ تیسرا مقام مقام تکمیل اور دعوت کے لئے خلقت کی طرف لوٹنا ہے۔ پہلی حالت صرف بلحاظ جذبہ کمال ہے جب اس کے سلوک کو پورے طور پر حاصل کر لیا جاتا ہے۔ تو دوسری حالت حاصل ہوتی ہے۔ بعد ازاں تیسری حالت۔ لیکن مجذوب کو سلوک سے یہ دوسری اور تیسری حالت بالکل نصیب نہیں ہوئی۔ جو کامل و مکمل ہے۔ وہ مجذوب سالک ہے۔ اس سے دوسرے درجے پر سالک مجذوب۔ جو ان دونوں کے بغیر ہے۔ وہ نہ کامل ہے۔ نہ مکمل۔ تم نے کم ہمت نہ بنتا۔ والسلام علیٰ خیر البشر سیدنا محمد و آلہ الاطہر ۰

منہا۔ ماہ ربیع الآخر کے آخری حصے میں اس بزرگ خانوادہ کے ایک بزرگ خلیفہ

کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان بزرگوں کا طریقہ اخذ کیا۔ اسی سال ماہ رجب کے نصف کے قریب حضور نقشبندیہ کی سعادت جو اِس مقام میں اندراج نہایت در بدایت ہے۔ حاصل ہوئی۔ ان بزرگوں نے فرمایا۔ کہ نسبت نقشبندیہ سے مراد یہی حضور ہے پورے دس سال کچھ مہینے اوپر ماہ ذالقعدہ کے نصف میں نہایت جو بدایت میں بدایات داوساط کے اتنے پردوں پیچھے سے جلوہ گر ہوئی تھی۔ نقاب اُتار نمودار ہوئی۔ اِس وقت یقین ہو گیا۔ کہ بدایت میں اس اسم کی صورت تھی۔ اس جسم کا ڈھانچ تھا۔ اور اس مُسمےٰ کا اسم تھا۔ ان دونوں میں بڑا بھاری فرق ہے۔ کام کی حقیقت یہاں آکر کھلی اور معاملہ کا بھید اس جگہ ظاہر ہوا۔ جس نے چکھا نہیں اسے معلوم نہیں ہوا۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانام وآلہ الکرام واصحابہ العظام +

منہا۔ واما بنعمۃ ربک فحدث۔ اپنے پروردگار کی نعمت کا ذکر کر، میں ایک روز اپنے یاروں کے حلقہ میں بیٹھا تھا۔ اور اپنی خرابیوں کو دیکھ رہا تھا۔ یہ دید یہاں تک غالب آئی۔ کہ میں نے اپنے آپ کو اس وضع کے بالکل مناسب نہ پایا۔ اسی اثنا میں من تواضع للہ رفعہ اللہ" جس نے اللہ تعالےٰ کی خاطر تواضع کی اللہ تعالےٰ نے اس کا درجہ بلند کر دیا' کے موافق اس دور پڑے ہوئے کو رسوائی کی خاک سے اٹھا کر یہ آواز سر میں دی 'غفرت لک ولمن توسل بک الی بواسطۃ او بغیر واسطۃ الی یوم القیمۃ' میں نے تجھے اور اس شخص کو بھی جو تجھے میری بارگاہ کا وسیلہ بالواسطہ یا بلا واسطہ بنائے گا بخشا اور یہ سلسلہ قیامت تک یوں ہی رہے گا۔ اور از راہ بندہ نوازی بار بار مجھے یہ فرمایا۔ حتےٰ کہ شک وشبہ کی گنجائش نہ رہی۔ اس بات کے لئے اللہ تعالےٰ کا بہت بہت شکر ہے۔ اللہ تعالےٰ اس میں برکت دے۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سیدنا محمد وآلہ کما یحب ویرضیٰ +

بعد ازاں اس واقعہ کے ظاہر کرنے کا مجھے حکم ہوا ؎

اگر بادشاہ بر درِ پیرہ زن ‏ ‏ بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

بے شک تیرے پروردگار کی مغفرت بہت وسیع ہے +

منہا۔ 'سیر الی اللہ' سے مراد کسی ایک اسم الٰہی تک کی سیر ہے جو سالک کا مبداء تعین ہے۔ اور 'سیر فی اللہ' سے مراد اس اسم میں یہاں تک سیر کرنا ہے۔ کہ اسماء

وصفات اور شیون و اعتبارات کے لحاظ سے مجرد ذات احدیت کی بارگاہ میں پہنچ جائے یہ تقریر اس وقت درست معلوم ہوتی ہے۔ جب کہ اسم مبارک اللہ سے مراد مرتبہِ وجوب لیا جائے۔ جو اسماء و صفات کا جامع ہے۔ لیکن اگر اس اسم مبارک سے مراد ذات محض لی جائے تو پھر سیر فی اللہ بھی سیر الی اللہ میں داخل ہوتی ہے۔ اور اس طرح سیر فی اللہ بالکل حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ آخری سے آخری نقطہ میں سیر کرنا وہم و خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ اس نقطے پر پہنچ کر بلا توقف جہان کی طرف لوٹنا ہوتا ہے۔ جسے "سیر عن اللہ باللہ" کہتے ہیں۔ یہ شناخت آخری سے آخری نقطہ تک کے واصلوں کے لئے مخصوص ہے۔ میرے سوا کسی ولی اللہ نے اس شناخت کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اللہ تعالےٰ جسے چاہتا ہے۔ اپنی طرف چن لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد و آلہ اجمعین +

منہا۔ امانت ولایت کی سیر میں اولیا کے مختلف مراتب ہیں۔ بعض میں صرف ایک درجہِ ولایت کی استعداد ہوتی ہے۔ بعض میں دو کی۔ بعض میں تین کی اور بعض میں چار کی۔ خال خال ایسے ہوتے ہیں۔ جو ولایت کے پانچویں درجے کو حاصل کرتے ہیں۔ ان پانچ درجوں میں سے پہلا درجہ تجلی افعال سے وابستہ ہے۔ دوسرا تجلی صفات سے اور باقی کے تین حسب مرتبہ تجلیات ذاتی سے وابستہ ہوتے ہیں۔ میرے اکثر یار تیسرے درجے سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اور ان میں تھوڑے ایسے ہیں۔ جو چوتھے درجے کے قابل ہیں۔ اور خال خال ایسے بھی ہیں۔ جو ولایت کے آخری یعنے پانچویں درجے سے مناسبت رکھتے ہیں۔ لیکن جس کمال کو میں معتبر سمجھتا ہوں۔ وہ ان پانچوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے زمانے کے بعد اس کمال کا ظہور نہیں ہوا۔ جو جذبہ و سلوک کے کمال سے بڑھ کر ہے۔ انشاء اللہ یہ کمال آخر زمانے میں حضرت مہدیؑ موعود میں ظاہر ہوگا۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر البریہ +

منہا۔ نہایت النہایت (آخری سے آخری مقام) کے واصل رجوع قہقری (اُلٹے پاؤں واپس آنے) کے وقت نچلے مقام میں اُتر آتے ہیں۔ یہی نچلے سے نچلے مقام میں اُتر آنا ہی دعوت کی تصدیق کرتا ہے۔ وہ اعلےٰ سے اعلےٰ اور

آخری سے آخری مقام تک ترقی کر چکے ہیں۔ جب نزول اس خصوصیت سے وقوع میں آتا ہے۔ تو صاحب رجوع ہمہ تن عالم اسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ اس کا کچھ حصہ بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہو۔ اور کچھ خلقت کی طرف۔ کیونکہ ایسی حالت اس بات کو ظاہر کرتی ہے۔ کہ وہ آخری سے آخری مقام تک نہیں پہنچا نیز اسے نچلے سے نچلے مقام تک نزول بھی حاصل نہیں ہوا۔ اب میں اصل بات کو بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ نماز پڑھتے وقت جو کہ مومن کے لئے معراج ہے۔ صاحب رجوع کے تمام لطائف بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور نماز سے فارغ ہو کر بالکل خلقت کی طرف۔ لیکن فرائض و سنن ادا کرتے وقت چھ لطیفے بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور نفل ادا کرتے وقت صرف عمدہ سے عمدہ لطیفے۔ ممکن ہے۔ کہ حدیث "لی مع اللّٰہ وقت" کا اشارہ اس خاص وقت کی طرف ہو۔ جو نماز سے مخصوص ہے۔ اور اس اشارت کا قرینہ تعین حدیث قرۃ عینی فی الصلوٰۃ "مجھے نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے"، اس قرینے کے علاوہ کشف صحیح اور الہام صریح بھی اس بارے میں مجھے ہوا ہے۔ یہ جو معارف مجھ سے ہی مخصوص ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے دوسرے مشائخ نے اس کمال کو جمع بین التوجہین میں جانا ہے۔ میں اپنا کام اور معاملہ اللہ تعالےٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ اس شخص کو سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فرمانبرداری اور تابعداری کی ؏

منہا۔ مشائخ نے فرمایا ہے۔ کہ اہل اللہ مرتبہ ولایت پر پہنچ کر اپنے اندر ہی مشاہدہ کرتے ہیں۔ بیرونی مشاہدہ جو سیر الی اللہ کے وقت اثنائے راہ میں حاصل ہوتا ہے۔ معتبر نہیں جو کچھ مجھ پر منکشف ہوا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ مشاہدہ اندرونی بھی مشاہدہ بیرونی کی طرح قابل اعتبار نہیں۔ اس واسطے کہ وہ مشاہدہ دراصل حقیقت حق سبحانہٗ تعالیٰ کا مشاہدہ نہیں۔ کیونکہ جب حق تعالےٰ بیچون و بیچگون ہے۔ پھر چون کے آئینہ میں کیونکر سما سکتا ہے۔ خواہ وہ آئینہ اندرونی ہو یا بیرونی۔ اللہ تعالیٰ نہ جہان کے اندر ہے اور نہ اس سے باہر ہی ہے۔ نہ جہان سے ملا ہوا اور نہ ہی الگ ہے۔ اسی واسطے جو لقائے حق آخرت میں حاصل ہوتا ہے۔ اسے بھی بلاکیف ہی لکھا ہے۔ جو عقل و وہم کے احاطہ سے باہر ہے۔ دنیا میں یہ بھید خواص الخواص پر منکشف کیا ہے

اگرچہ اِسے رویت تو نہیں کہہ سکتے لیکن پھر بھی رویت ہی کی طرح ہے۔ یہ دولت عظمےٰ ایسی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے بعد بہت کم اشخاص کو نصیب ہوئی ہے گو یہ بات آج کل بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے۔ اور اکثر لوگ اِسے یقین نہیں کرتے لیکن میں اس نعمت عظمےٰ کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خواہ کوتہ اندیش لوگ اِسے مانیں یا نہ مانیں۔ یہ نسبت اِس خصوصیت سے انشاء اللہ آخری زمانے میں حضرت مہدئ موعود میں ظاہر ہوگی۔ اس شخص پر سلامتی ہو۔ جس نے ہدایت کی پیروی اور جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وصحابہ اجمعین وسلم کی فرمانبرداری کی۔ اور آنحضرت کی متابعت کو لازم جانا۔

منہا۔ جب کوئی طالب کسی شیخ خدمت میں حاضر ہو۔ تو شیخ پہلے اس سے تین سے لے کر سات تک استخارہ کروائے۔ اگر استخاروں کے بعد طالب میں کسی قسم کا تذبذب پیدا نہ ہو۔ تو اس کے کام کو شروع کرے۔ سب سے پہلے اسے توجہ کا طریقہ سکھلائے۔ اور دو رکعت نمازِ توبہ پڑھنے کے لئے کہے۔ کیونکہ توبہ کئے بغیر اس راہ میں قدم رکھنا مفید نہیں پڑتا۔ لیکن توبہ کے حصول میں مجمل پر ہی اکتفا کرے۔ یہ نہ کرے۔ کہ طالب اِسی وقت ہی توبہ نصوحی کرے۔ بلکہ یہ کرے کہ طالب آہستہ آہستہ تمام بُری باتوں سے توبہ کر سکے گا۔ کیونکہ آج کل ہمتیں بالکل پست ہو گئی ہیں۔ اگر پہلے ہی مفصل توبہ کی تکلیف دی جائے۔ تو اس کے لئے عرصہ درکار ہے۔ ممکن ہے۔ اس عرصہ میں طالب اِس کام سے ہمت ہار جائے۔ بلکہ توبہ ہی کو سرانجام نہ کر سکے۔ جب توبہ مجملاً ہو چکے۔ تو پھر طالب کو استعداد کے موافق خاص طریقہ کی تعلیم کرے۔ اور جو ذکر اس کی قابلیت کے مناسب ہو تلقین کرے۔ اور اس کے کام میں اپنی توجہ صرف کرے۔ اور اِس کے حال کو مدنظر رکھے۔ اور راستے کے آداب و قواعد اور شرائط اِسے بتا دے۔ کتاب و سنت اور آثار سلف صالحین کی متابعت کی ترغیب دلائے۔ اور اِس کے ذہن نشین کر دے کہ اِس متابعت بغیر مطلوب حاصل نہیں ہوتا۔ اور اِسے جتلا دے کہ جو کشف و خواب کتاب و سنت سے بال بھر بھی اختلاف رکھتا ہو۔ وہ قابل اعتبار نہیں۔ بلکہ اس سے استغفار کرنی چاہیئے۔ اور اس بات کی نصیحت کرے۔ کہ عقاید فرقہ ناجیہ یعنے اہل سُنت و جماعت کی رائے کے موافق صحیح کرے۔ اور اِس بات کی کرے۔ کہ وہ فقہ

کے بعد ان احکام سیکھ کر ان پر عمل کرے۔ کیونکہ اس راہ میں بغیر ان دو بازوؤں یعنے اعتقاد
اور عمل کے اڑنا محال ہے۔ نیز اس بات کی سخت تاکید کرے کہ مشتبہ اور حرام لقمہ
میں نہایت احتیاط سے کام لے۔ جو کچھ یا جہاں سے مل جائے نہ کھائے۔ تاوقتیکہ
اس کا کھانا شرعاً جائز نہ ہو۔ مختصر یہ کہ تمام کاموں میں اس آیت کریمہ کو ملحوظ و مد نظر
رکھے قولہ تعالےٰ ماآتکم الرسول فخذوہ ومانھٰکم عنہ فانتھوا جو کچھ رسول خدا
صلے اللہ علیہ وسلم نے کرنے کیلئے فرمایا۔ اُسے کرو۔ اور جس سے منع فرمایا ہے۔ اس
سے باز آجاؤ۔ طالب دو حالتوں سے خالی نہیں یا اہل کشف و معرفت میں یا صاحب
جہل و حیرت۔ لیکن جب پردے اُٹھ جاتے ہیں۔ اور منزلیں طے ہو جاتی ہیں۔ تو اس
وقت دونوں برابر ہوتے ہیں۔ یعنے پہنچ جانے میں یکساں ہوتے ہیں۔ مثلاً دو شخص دور
دراز کی منزلیں طے کر کے جب کعبے پہنچ جائیں۔ ایک راہ میں ہر منزل پر نظارے دیکھتا
آئے اور دوسرا آنکھوں پر پھٹکری رکھ کر آئے۔ تو دونوں شخص کعبہ پہنچنے میں برابر ہیں۔
کسی کو دوسرے پر فوقیت نہیں۔ گو راہ کے نظاروں کے لحاظ سے ان میں فرق ہے
مطلوب کے پاس پہنچ جانے کے بعد دونوں کے لئے جہل لازم ہے۔ کیونکہ ذات الٰہی
کی معرفت یہی ہے۔ کہ اس کی معرفت سے جہل و عجز کیا جائے ٭

واضح رہے کہ سلوک کی منزلیں طے کرنے سے مراد دس مقامات کا طے کرنا ہے۔
اور ان دس مقامات کا طے کرنا ان تین قسم کی تجلیات سے وابستہ ہے۔ یعنی تجلی افعال
تجلی صفات۔ اور تجلی ذات ان مقامات سے سوائے مقام رضا کے سب تجلی افعال اور
تجلی صفات کے متعلق ہیں۔ مقام رضا تجلی ذات سے وابستہ ہے۔ نیز محبت ذاتیہ کے
متعلق ہے۔ جس میں محب کی یہ حالت ہوتی ہے۔ کہ محبوب کی طرف سے خواہ اسے
تکلیف ہو یا آرام دونوں کو برابر سمجھے۔ جب ایسی حالت ہو جاتی ہے۔ تو فی الواقع رضا
حاصل ہوتی ہے۔ اور کراہت اٹھ جاتی ہے۔ اسی طرح باقی مقامات پر بدرجہ کمال پہنچنا
بھی تجلی ذات کے وقت نصیب ہوتا ہے جس سے فنائے اتم وابستہ ہے۔ لیکن ان
مقامات کے نفس کا حصول تجلی افعال اور تجلی صفات میں ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب یہ دیکھتا ہے
کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر اور تمام اشیاء پر قادر ہے تو بے اختیار توبہ کرتا ہے۔ تو ڈرتا ہے۔
اور تقوے کو اپنی عادت بنا لیتا ہے۔ اس کی تقدیروں پر صبر کرنے لگتا ہے۔ مطلق

بے صبری چھوڑ دیتا ہے۔ اور کسی نعمت کا دینا یا روکنا اسی سے یقین کرتا ہے۔ جب جانتا ہے۔ کہ نعمتوں کا مولا وہی ہے۔ اور چاہے دے چاہے نہ دے۔ تو ناچار شکر گذار بنتا ہے۔ اور توکل میں راسخ قدم ہو جاتا ہے۔ جب مہربانی اور نرمی متجلی ہوتی ہے۔ تو مقام رجا میں آتا ہے۔ جب اس کی عظمت اور کبریائی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور دنیا ُ دوں اس کی نگاہوں میں خوار و بے اعتبار دکھائی دینے لگتی ہے۔ تو مجبوراً دنیا سے دل ہٹا لیتا ہے۔ فقر اختیار کرتا ہے۔ اور زہد کو اپنا طریقہ بنا لیتا ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ مقامات مفصل و ترتیب وار صرف سالک مجذوب کو حاصل ہوتے ہیں مجذوب سالک اِن مقامات کو مجمل طور پر طے کرتا ہے۔ کیونکہ عنایت ازلی نے اُسے ایسی محبت میں گرفتار کیا ہے کہ وہ بالتفصیل ان مقامات میں مشغول نہیں ہو سکتا۔ اسی محبت کے ضمن میں اُسے اِن مقامات کا وہ لب لباب اور ان منازل کا وہ خلاصہ پورا پورا حاصل ہو جاتا ہے۔ جو صاحب تفصیل کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی

منہا۔ طالب کو چاہیئے۔ کہ اندرونی و بیرونی باطل معبودوں کی نفی کی کوشش کرے۔ اور معبود حقیقی کے اثبات کے لیے جو کچھ اس کے وہم خیال میں آئے اسے بھی برطرف کر دے صرف اس کی موجودیت پر اکتفا کرے۔ اگرچہ اس مکان میں وجود کی بھی گنجائش نہیں۔ اسے وجود کے علاوہ تلاش کرنا چاہیئے علمائے اہل سُنت نے کیا خوب کہا ہے کہ واجب تعالیٰ کا وجود اس کی ذات اور اس پر زائد ہے وجود کو عین ذات کہنا اور وجود کے سوائے کسی اور بات کا ثابت نہ کرنا نظر کی کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ شیخ علاؤ الدولہ فرماتے ہیں کہ عالم وجود کے اوپر ملک ودود کا عالم ہے۔ مجھے (حضرت مجدد الف ثانی) عالم وجود سے اوپر گذارا۔ تو کچھ عرصہ میں مغلوب الحال رہا۔ اپنے آپ کو علم تقلیدی کی رُو سے اپنے آپ کو مسلم خیال کرتا رہا۔ مختصر یہ کہ جو کچھ ممکن کے حوصلہ میں آتا ہے۔ وہ بدرجہ اولیٰ ممکن ہوتا ہے۔ وہ ذات پاک ہے۔ جس نے اپنی طرف خلقت کی راہ سوائے اُس کے اور کوئی نہیں بنائی کہ اس کی معرفت سے عاجزی ظاہر کی جائے اس سے یہ خیال پکڑنا کہ اس فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے ممکن واجب ہو جاتا ہے کیونکہ ایک تو ایسا ہونا محال ہے اور دوسرے اس سے قلب حقائق لازم آتا ہے۔ پس جب ممکن واجب نہیں ہو سکتا۔ تو ممکن کو واجب تعالیٰ کے افعال کے سوائے عجز کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چین
کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

بلند ہمت اشخاص اس طرح مطلب کو چاہتے ہیں کہ اس سے کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا اور اس کا

نام ونشان تک پیدا نہیں ہوتا۔ بعض ایسے ہیں کہ کسی خاص مطلب کے والے ہوتے ہیں۔ تو اسی کو اپنا عین پاکر اس سے قرب ومعیت پیدا کرتے ہیں۔ مصرعہ

آں ایشانند من چنینم یارب۔ والسلام

منہا۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالےٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ ہر ایک شیخ کے آئینے کے دو رخ ہوتے ہیں۔ لیکن میرے آئینے کے چھ رُخ ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ آج تک اس بزرگ خانوادہ کے کسی خلیفہ نے اس کلمہ قدسیہ کی شرح بیان نہیں کی بلکہ اشارتاً کنایتاً اور کنائتاً بھی اس بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ مجھ حقیر و قلیل البضاعۃ کی کیا حیثیت کہ اس کی شرح کی جرأت کر سکے۔ اور اس کی کشف کے لیئے زبان کھولے۔ لیکن چونکہ حق تعالےٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے مُعما کا بھید مجھ پر منکشف فرمایا ہے۔ اور کما حقہٗ اس کی حقیقت مجھ پر ظاہر فرمائی ہے۔ اس واسطے اس پوشیدہ بھید کو بیان کی انگلیوں سے رشتہ تحریر میں پروتا ہوں۔ اور زبان ترجمان سے بھی تقریر میں لاتا ہوں۔ استخارہ کے بعد اس سے اور اللہ تعالےٰ سے غلطی سے بچنے اور توفیق کی دُعا کر کے شروع کرتا ہوں۔ واضح رہے کہ آئینہ سے مراد عارف کا دل ہے۔ جو روح اور نفس کے مابین برزخ (وسیلہ) ہے۔ آئینے کے دونوں رخوں سے مراد ایک رُخ روح کا اور دوسرا رُخ نفس کا لیا ہے۔ جس وقت مشائخ مقام قلب پر پہنچتے ہیں۔ تو ان دونوں رخوں سے وہ علوم ومعارف جو قلب کے مناسب ہوتے ہیں۔ منکشف ہونے لگتے ہیں۔ برخلاف اس کے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ سرہ العزیز کے طریقہ میں بدایت ہی میں نہایت مندرج ہے۔ اس طریقہ میں آئینہ کے چھ رُخ ہو جاتے ہیں۔ اس کی مفصل حقیقت یہ ہے کہ اس طریقہ کے بزرگوں پر منکشف ہو رہا ہے کہ جو کچھ تمام افراد انسانی میں ثابت ہے۔ وہ چھ لطیفوں سے اکیلے دل میں متحقق ہے۔ ان چھ طرفوں سے مراد نفس[1]۔ قلب[2]۔ روح[3]۔ سر[4]۔ خفی[5]۔ اخفی[6] لئے ہیں۔ باقی تمام مشائخ کی سیر قلب کے ظاہر تک محدود ہے۔ لیکن نقشبندیہ بزرگوں کی سیر قلب کے باطن تک۔ بلکہ اس سیر کے ذریعے اس کے اندرونی سے اندرونی نقطے تک ہے۔ اور انہیں ان چھ لطیفوں کے علوم ومعارف مقام قلب میں منکشف ہوتے ہیں۔ لیکن وہ علوم منکشف ہوتے ہیں۔ جو مقام قلب کے مناسب ہیں۔ یہ ہے۔ حضرت خواجہ قدس اللہ سرہ الاقدس کے کلمہ قدسیہ کا بیان۔ مجھ حقیر کو ان بزرگوں کی برکت سے اور زیادہ تحقیق وتدقیق معلوم ہوئی۔ سو میں اس تحقیق وتدقیق میں سے کچھ اشارتاً اس آیۃ کریمہ کے بموجب "واما بنعمۃ ربک فحدث" بیان

کرتا ہوں۔ واضح رہے کہ قلبِ قلب میں بھی قلب کی طرح لطائف پائے جاتے ہیں۔ لیکن قلبِ قلب میں یا دائرہ کی تنگی یا کسی اور بھید کی وجہ سے مذکورہ بالا چھ لطیفوں میں سے دو لطیفے بطریق جز و یعنی لطیفہ نفس لطیفہ اخفیٰ ظاہر نہیں ہوتے اور یہی حالت اس دل کی ہے جو تیسرے مرتبے میں ہو۔ کیونکہ اس میں خفی بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ اور یہی حالت اس دل کی ہے۔ جو چوتھے مرتبے میں ہو کیونکہ اس میں صرف قلب و روح کا ظہور ہوتا ہے۔ سر کا نہیں ہوتا۔ پانچویں مرتبے میں لطیفہ روح کا بھی ظہور نہیں ہوتا۔ صرف قلب ہی قلب رہ جاتا ہے۔ جو بسیطِ محض اور ناقابلِ اعتبار ہے اس موقعہ پر بعض معارف عالیہ کا معلوم کرنا ضروری ہے تاکہ ان کے ذریعے واضح ہو جائے کہ نہایت النہایت اور غایت الغایت سے کیا مراد ہے میں ان معارف کو بتوفیقِ الٰہی بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ جو کچھ عالم کبیر میں مفصل طور پر ظاہر کیا گیا ہے۔ وہ عالم صغیر میں مجمل طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ عالم صغیر سے مراد انسان ہے۔ پس جب عالم صغیر کو صیقل کر کے منور کر لیا جاتا ہے۔ تو اس میں آئینے کی طرح عالم کبیر کی تمام چیزیں مفصل دکھائی دینے لگتی ہیں کیونکہ صیقل، اور منور کرنے سے اس کا احاطہ وسیع ہو جاتا ہے اس وقت صغیر کا لفظ اس پر عاید نہیں ہوتا اور یہی حالت اس دل کی ہے جس کو عالم صغیر سے وہی نسبت ہے۔ جو عالم صغیر کو عالم کبیر سے ہے۔ جب دل کو صیقل کیا جاتا ہے اور اس سے تاریکی دور ہو جاتی تو اس میں بطریق آئینہ عالم صغیر کی تمام چیزیں مفصل دکھائی دینے لگتی ہیں۔ اور یہی نسبت قلب القلب اور قلب میں ہوتی ہے جو قلب اور عالم صغیر میں ہوتی ہے جب قلب القلب کا تصفیہ کر لیا جاتا ہے۔ تو اس میں تمام چیزیں مفصل طور پر دکھائی دینے لگتی ہیں علٰے ہذا القیاس دل تیسرے اور چوتھے اور پانچویں مرتبے میں بہ سبب صقالت و نورانیت سابقہ مراتب کی تمام چیزوں کو مفصلاً دکھلانے لگتا ہے اسی طرح جو دل پانچویں مرتبے میں بسیط محض اور ناقابل اعتبار ہوتا ہے۔ جب اُسے پورے طور پر صیقل کیا جاتا ہے تو اس میں عالم کبیر۔ صغیر اور صغیر اور لبعد کے باقی تمام عوالم کی چیزیں مفصلاً دکھلائی دینے لگتی ہیں۔ سو وہ تنگ لیکن سب سے فراخ اور بسیط سے بسیط۔ نہایت چھوٹا لیکن سب سے بڑا ہے اس وصف کی کوئی اور چیز اللہ تعالےٰ نے پیدا نہیں کی اس لطیفہ بدیعہ سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مناسبت نہیں رکھتی اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ " میرے آسمان اور میری زمین میں میری گنجائش نہیں ہے صرف

اپنے مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں۔

عالم کبیر اگرچہ بلحاظ ظہور نہایت وسیع ہے۔ اور اس کی کثرت و تفصیل کی وجہ سے اُسے اس چیز کے ساتھ جس میں کثرت و تفصیل بالکل نہ ہو۔ کوئی مناسبت نہیں۔ وہ تنگ لیکن بہت وسیع ہے اور بسیط الابسط ہے بہت ہی تھوڑا ہے لیکن ساتھ ہی بہت ہی کثیر بھی ہے۔ جب وہ عارف جو بلحاظ معرفت مکمل اور از روئے شہود اکمل ہو اس مقام پر پہنچتا ہے۔ جو عزیز العزیز الوجود اور شریف رتبہ ہے تو وہ عارف تمام جہان اور اس کے ظہورات کے لئے بمنزلہ دل ہو جاتا ہے تب اُسے ولایت محمدیہ حاصل ہوتی ہے اور دعوت مصطفویہ سے مشرف ہوتا ہے۔ قطب۔ اوتاد۔ اور ابدال سبھی اس ولایت کے دائرہ کی تحت میں داخل ہوتے ہیں اور ہر قسم کے اولیاء اللہ مثلاً افراد و احاد سبھی اس کے انوار ہدایت کی تحت میں مندرج ہیں کیونکہ وہ جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا نائب مناب اور حبیب الٰہی کی ہدایت سے ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔ یہ عزیز الوجود اور شریف نسبت مرادین ہی سے کسی ایک سے مخصوص ہوتی ہے مریدین کو یہ کمال نصیب نہیں ہوتا یہ بڑی نہایت اور آخری غایت ہے اس کے اوپر کوئی کمال نہیں اور اس سے عمدہ کوئی بخشش نہیں خواہ اس قسم کا عارف ہزار سال بعد پایا جائے تو بھی غنیمت ہے۔ اس کی برکت مدت مدید اور عرصہ بعید تک جاری رہتی ہے ایسے عارف کا کلام بمنزلہ دوا اور اس کی نظر بمنزلہ شفا ہوتی ہے اس آخری اُمت میں سے انشاءاللہ حضرت مہدیٔ موعودؑ اس نسبت شریفہ پر پائے جائیں۔ یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالےٰ صاحب فضل عظیم ہے۔ یہ دولت عظمےٰ سلوک و جذبہ کے دونوں رستے بالترتیب و بالتفصیل طے کرنے سے وابستہ ہے نیز فنائے اتم اور بقائے اکمل کو ایک ایک درجہ کر کے حاصل کرنے پر منحصر ہے سو یہ باتیں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری بغیر نصیب نہیں ہو سکتیں۔ اللہ تعالےٰ کا شکر ہے۔ جس نے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری و پیروی عنایت فرمائی ہم اللہ تعالےٰ سے آنحضرتؐ کی متابعت کا کمال اس پر ثابت قدم رہنا اور آنحضرت کی شریعت کی استقامت مانگتے ہیں۔ آمین کہنے والے بندے پر اللہ تعالےٰ رحم کرے۔ یہ معارف پوشیدہ اسرار مخفی رموز سے ہیں۔ بڑے بڑے اولیاؤں میں سے کسی نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا اور بڑے بڑے اصفیاء میں سے کسی نے بھی ان کی طرف اشارہ نہیں کیا اللہ تعالےٰ نے یہ اسرار اپنے اس بندے کو اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ان اسرار سے مطلع فرما کر ان کے ظاہر کر دینے کا حکم فرمایا۔ کسی نے

کیا اچھا کہا ہے ؎

اگر بادشاہ بر درِ پیرہ زن ۔ بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

اللہ تعالیٰ کی قبولیت کسی شئے یا سبب پر منحصر نہیں جو چاہتا ہے کرتا ہے جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ وَبَارَکَ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ +

منہا - روح بھی چونکہ عالم بیچونی سے ہے اس واسطے اس کے لئے بھی لامکان ہونا مستحق ہے لیکن اس کی بیچونی بمقابلہ وجوب واجب حق عین چون ہے اور اس کا لامکان ہونا حقیقی لامکانیت کی لامکانیت کے سامنے عین مکانیت ہے گویا عالم ارواح اس عالم اور مرتبہ بیچونی کے مابین برزخ ہے چونکہ روح میں دونوں رنگ پائے جاتے ہیں اس واسطے عالم بیچوں اسے بے چوں جانتے ہیں ممکن اصلی بیچوں کے مقابلہ میں عین چون ہے۔ برزخ ہونے کی نسبت اسے اس کی اصلی فطرت کے اعتبار سے حاصل ہے۔ لیکن جب اس روح کا تعلق اس کے ہیکل اور قفس عنصری سے ہو جاتا ہے تو عالم برزخیت سے نکل یا لتماس عالم چون میں اترتا ہے اس واسطے بیچونی کا رنگ اس سے جاتا ہے اس کی مثال ہاروت و ماروت کی سی ہے جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ارواح ملائکہ بعض خاص مصلحت کے لئے بشریت کی پستی میں اترے ہیں۔ پس اگر عنایت الٰہی مدد کرے اور اس سفر سے لوٹ کر اپنی اصلی جگہ جائے جو در حقیقت تنزل سے عروج ہے تو تاریک نفس اور بدن عنصری بھی اس کی متابعت سے ضرور عروج حاصل کریں گے اور منزلیں طے کر لیں گے اس ضمن میں وہ مقصود بھی ظاہر ہو جائے گا۔ جو روح کے تعلق اور اس کے نزول سے مطلوب تھا۔ نفس امارہ نفس مطمئنہ بن جائے گا اور ظلمانی نورانی سے بدل جائیگا جب روح اس سفر کو ختم کر لیتا ہے اور نزول کے مقصود کو انجام تک پہنچا دیتا ہے تو اصلی برزخیت پر پہنچتا ہے اور نہایت برزخیت کی طرف لوٹتے وقت وصل کرتا ہے چونکہ قلب بھی عالم ارواح سے ہے۔ اس واسطے اسے بھی برزخیت میں وطن نصیب ہوتا ہے اور نفس مطمئنہ بھی جو عالم امر کا رنگ رکھتا ہے کیونکہ وہ قلب و بدن کے درمیان برزخ ہے اس جگہ اقامت کرتا ہے اور

بدن عنصری جو اربعہ عناصر کا بنا ہوا ہے۔ عالم کون و مکان میں قرار پکڑتا اور طاعت و عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے بعدازاں اگر سرکشی اور مخالفت واقع ہوتی ہے اُسے عناصر کی طبیعتوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ مثلاً جزء ناری جو بالذات سرکش اور مخالفت طلب ہے۔ ابلیس لعین کی طرح "انا خیر منہ" میں اس سے اچھا ہوں' پکارے گا۔ نفس مطمئنہ سرکشی سے باز آچکا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالے سے راضی ہوتا ہے اور اللہ تعالےٰ اس سے سو جو ایک دوسرے سے راضی ہوں دل میں سرکشی کا خیال تک نہیں ہوتا اگر سرکشی ہے بھی تو قالب سے شاید جناب سردار کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شیطانی سرکشی کو جہاد اکبر سے تعبیر فرمایا ہو۔ کیونکہ اس کی پیدائش بھی جزء ناری ہے اور یہ جو فرمایا اَسلَمَ شَیطَانیِ اس سے مراد ہے۔ میرے شیطان نے اسلام قبول کیا۔ یا تو شیطان ظاہری ہے جو آنحضرت کا قرین ہے لیکن جہاد اکبر والی حدیث میں اندرونی شیطان سے مراد ہے اگرچہ اس شیطان کی شان و شوکت کو بھی توڑا ہوا ہے اور وہ سرکشی سے باز آیا ہوا ہے۔ لیکن پھر بھی جو شئے کسی کی ذات میں داخل ہو وہ اس سے جدا نہیں ہو سکتی سے سیاہی از حبشی کے رود کہ خود رنگ است۔ یا اس سے مراد اندرونی شیطان ہے اس کے اسلام قبول کرنے سے لازم آتا ہے کہ اس نے سرکشی بالکل ترک کر دی ہو۔ باوجود اسلام کے اگر عزیمت کو ترک کر کے رخصت کا مرتکب ہو تو جائز ہے۔ اور اگر کوئی ایسا صغیرہ سرزد ہو جس میں نیکی نہ ہو تو بھی اس کی گنجائش ہے۔ بلکہ نیکوں کی نیکیاں مقربوں کے نزدیک برائیں داخل ہیں یہ بھی اسی قسم سے ہے۔ یہ سب سرکشی کی قسمیں ہیں یہ سرکشی جو تھوڑے بہت اس میں باقی رہتی ہے وہ اس کی صلاح و ترقی کے لئے ہے۔ کیونکہ ان امور کے حاصل ہو جانے کے بعد جن میں کمی کا انتہائی درجہ ترک کے حصول سے بہتر ہے ایسی ندامت پشیمانی توبہ اور استغفار ہاتھ آتی ہے۔ جو بے نہایت ترقیوں کا موجب ہوتی ہے جب بدن عنصری اپنی جائے قرار میں آجاتا ہے تو لطائف ستہ کی جدائی اور اُن کے عالم امر میں چلے جانے کے بعد اس جہان میں اُن کا خلیفہ بلاشک و شبہ یہی بدن رہ جاتا ہے اور یہی ان سب کے کام کرتا ہے۔ بعدازاں اگر انعام ہوتا ہے تو گوشت کے اسی ٹکڑے کو جو حقیقت جامعہ قلبیہ کا خلیفہ ہے اور اس حدیث نبوی مَن اَخلَصَ لِلّٰہِ اَربَعِینَ صَبَاحاً ظَہَرَ یَنَابِیعُ الحِکمَۃِ مِن قَلبِہٖ عَلٰی لِسَانِہٖ جو شخص اخلاص سے چالیس دن اللہ تعالے کی عبادت کرتا ہے حکمت کے چشمے اس کے دل سے اُس کی

زبان پر جاری ہوتے جائیں۔ میں قلب سے مراد واللہ اعلم۔ یہی گوشت کا ٹکڑا ہے۔ دوسری حدیثوں میں بھی یہی مراد مقرر ہے جیسا کہ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ۔ بے شک میرے دل پر پردہ کیا جاتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ پردہ اگر ڈھانپا ہوا ہے تو اس گوشت کے ٹکڑے پر نہ کہ حقیقت جامعہ پر کیونکہ وہ تو بالکل پردے سے بری ہے دوسری حدیثوں میں دل کے پلٹنے کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ الخ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے مابین ہے نیز آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے قَلْبُ الْمُؤْمِنِ كَرِيْشَةٍ فِيْ اَرْضٍ فَلَاةٍ مومن کا دل بیابان کے گھاس کی طرح ہے نیز فرمایا ہے اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى طَاعَتِكَ اے معبود! میرے دل کو اپنی طاعت پر ثابت رکھنا، پلٹنا اور عدم اسی گوشت کے ٹکڑے کے لئے ہے کیونکہ حقیقت جامعہ ہرگز نہیں پلٹتی اس واسطے کہ وہ راسخ و مطمئن ہے۔ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے دل کے واسطے اطمینان کی درخواست کی تو اس وقت آپ کی مراد گوشت کے ٹکڑے سے تھی۔ نہ کہ کسی اور چیز سے کیونکہ آپ کا حقیقی دل تو بلاشک مطمئن تھا بلکہ آپ کا نفس بھی آپ کے حقیقی قلب کی سیاست کی وجہ سے مطمئن تھا عوارف المعارف کے مصنف قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ الہام اسی نفس مطمئنہ کی صفت ہے۔ جو مقام قلب تک عروج کر گیا ہو اور بے شک تلون و تقلب نفس مطمئنہ کی صفات ہیں اور یہ جیسا کہ تم دیکھتے ہو مذکورہ بالا حدیثوں کے خلاف ہے اگر اس مقام سے جس کا ذکر شیخ صاحب نے لکھا ہے۔ عروج حاصل ہو اس واسطے کہ شخص نے جب سے اس حقیقت معلوم کر لی ہے اب جو کچھ میں نے کہا ہے اس کی صداقت بھی تم پہ عیاں ہو گئی ہوگی کیونکہ کشف الہام اور اخبارات نبویہ میں باہمی مطابقت ہو گئی ہے اور یہ بھی تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ اسی گوشت کے ٹکڑے پر الہام ہوتے ہیں اور یہی خلیفۃ اللہ اسی کے احوال بدلتے رہتے ہیں۔ اگر میرا کہنا بالفرض ہٹ دھرم اور اصل حقیقت سے قاصر و جاہل لوگوں کو ناگوار گزرے تو حدیث نبوی کا ان کے پاس کیا جواب ہے خود جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اِنَّ فِيْ جَسَدِ بَنِيْ اٰدَمَ لَمُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ اس میں شک نہیں کہ بنی آدم کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ سنورا ہوا ہو تو سارا جسم سنورا ہوا ہوتا ہے اور جب اس میں بگاڑ ہو تو تمام جسم میں بگاڑ ہوتا ہے اور وہ دل ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مبالغہ کے طور پر فرمایا ہے کہ دل وہ ہے اور سارے جسم کا سنورنا بگڑنا اسی کے سنورنے بگڑنے پر منحصر ہے سو سنوار بگاڑ گوشت

کے ٹکڑے کرے کے لئے ہے نہ کہ قلب حقیقی کے لئے خواہ نیابت اور خلافت کے طریق پر ہی ہو۔ واضح رہے کہ جب روح جسم سے مُوتُوا قبل اَن تَمُوتُوا مرنے سے پہلے مرجاؤ والی موت کے سبب جُدا ہو جاتی ہے۔ تو عارف واصل اپنی روح نہ جسم میں داخل اور نہ ان سے خارج نہ اُس سے ملی ہوئی اور نہ اس سے جدا پاتا ہے اُسے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ روح اور جسم کا یہ تعلق اس واسطے ہے کہ جسم کی بھی اصلاح سی ہو جائے اور روح بھی اپنے اصلی کمال پہ پہنچ جائے اور اس تعلق کی منشا یہی ہے کہ نیکی اور بہتری ہو جائے اگر یہ تعلق نہ ہوتا تو جسم سارے کا سارا شریر اور ناقص رہ جاتا اور یہی حالت ہے واجب تعالےٰ کی روح وغیرہ کے ساتھ کہ ذات حق نہ عالم میں داخل ہے نہ خارج نہ اس سے ملی ہوئی ہے اور نہ اس سے جُدا۔ اللہ تعالےٰ کو جہاں سے پیدا کرنے باقی رکھنے کمالات کا فیض پہنچانے اور نعمت اور نیکیوں کے لئے مستعد بنانے کا تعلق ہے۔ اگر تم کہو کہ علمائے اہل حق نے روح کے بارے میں اس قسم کا کلام نہیں کیا بلکہ ایسا کرنے کو جائز ہی نہیں فرمایا اور آپ ہر چھوٹی بڑی بات میں اُن کی موافقت کو لازم جانتے ہیں پھر آپ کے اس طرح کلام کرنے کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ روح کی حقیقت جاننے والے عالم بہت کم ہیں۔ انہوں نے کمالات روح کی کشف کے متعلق مفصل کچھ نہیں لکھا۔ بلکہ مجمل طور پر لکھنے پر اس واسطے اکتفا کی ہے کہ عوام الناس چونکہ اس کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے ایسا نہ ہو کہ اُلٹے گمراہی میں پڑ جائیں بےشک کمالات روحی کمالات وجوبیہ کی شبیہ اور صورت ہیں ان میں ایک باریک فرق ہے جسے صرف علمائے راسخ ہی جانتے ہیں اس لئے انہوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اس کی حقیقت کو مجمل بیان کیا جائے یا بالکل نہ کیا جائے لیکن وہ روح کے مذکورہ بالا کمالات کے منکر نہیں میں نے جو روح کے بعض خواص منکشف کیے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق اور جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقے کشف صریح اور علم صحیح حاصل ہے۔ اور ساتھ ہی مجھ سے وہ شبہ دُور کر دیا گیا ہے جو بیان کرنے سے روکتا ہے اب غور و فکر کرو۔ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ جس طرح جسم کو روح سے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طرح روح کو بھی جسم سے بڑے بڑے فوائد پہنچے ہیں۔ چنانچہ جسم ہی کی برکت سے اُسے سننے دیکھنے بات کرنے مجسم ہونے مختلف افعال کرنے اور عالم اجتہاد سے مناسب ہونے کی طاقت نصیب ہوئی۔ جب نفس مطمئنہ روحانیوں سے مل جاتی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ تو عقل اس کی بجائے اس کا خلیفہ بن کر عالم اجتہاد میں بیٹھتی ہے۔ اور اس کا نام عقل معاد ہو جاتا ہے۔

اس وقت اس کی تمام سوچ بچار صرف آخرت کے لئے محدود ہو جاتی ہے۔ دُنیاوی زندگی کے اسباب کی طرف سے فارغ ہو جاتی ہے اور جو نور اُسے عطا ہوا ہے اس کے سبب فراست کے لائق ہو جاتی ہے یہ مرتبہ کمالاتِ عقل کا انتہائی مرتبہ ہے ناقص بیان پر یہ اعتراض نہ کرے کہ کمالاتِ عقل کا انتہائی مرتبہ نسیانِ معاش و معاد میں متحقق ہونا چاہئے کیونکہ شرع میں اسے سوائے حق سبحانہ تعالیٰ کے اور کسی کا خیال و اندیشہ نہیں ہوتا کیا دنیا کیا آخرت، دونوں کی طرف سے فارغ ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نسیان و فراموشی اسے اثنائے راہ میں مرتبہ فنا فی اللہ پر پہنچکر حاصل ہوئی۔ اور یہ کمال اس سے بدرجہا متجاوز ہے یہاں حصول جہلی کے بعد رجوع علم تحقیق جمع کے بعد فرق کا لوٹ آنا اور مرتبہ جمع میں کے کفر طریقت کے بعد اسلام حقیقی حاصل ہوتا ہے کوتہ اندیش اور احمق فلسفیوں نے عقل کے چار مراتب ثابت کر کے انہیں پر اس کے کمالات کا انحصار رکھا ہے یہ ان کی کمال نادانی ہے عقل کی حقیقت اور اس کے کمالات کا اندازہ عقل و وہم سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس مطلب کے لئے کشف صحیح اور الہام صریح درکار ہے جو انوار نبوت کی مشکوٰۃ مقتبس ہوں اگر یہ پوچھیں کہ مشائخ نے جو عقل کو روح کا ترجمان لکھا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ علوم و معارف جو روحانی تلقی کے باعث مبداء فیاض سے حاصل ہوتے ہیں انہیں قلب جو کہ عالم ارواح سے ہے اخذ کرتا ہے۔ ان کا ترجمان عقل ہے ان کو چھانٹ کر عالم خلق کے گرفتاروں کی سمجھ کے لائق بناتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ ترجمانی نہ کرے تو ان کا سمجھنا مشکل بلکہ محال ہو جاتا ہے چونکہ دل گوشت کا لوتھڑا قلبی حقیقت جامعہ کا خلیفہ ہے اس واسطے وہ اصل کی طرح ہو گیا ہے اس کی تلقی بھی روحانی تلقی ہو گئی ہے اس واسطے اُسے ترجمان کی ضرورت ہوئی ہے واضح رہے کہ عقل معاد پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے جو نفس مطمئنہ کی ہمسائیگت کے شوق کا باعث ہوتا ہے یہاں تک کہ نفس مطمئنہ کو اس کے مقام تک پہنچاتا ہے اور جسم کو خالی چھوڑتا ہے اس وقت تعلق مذکورہ تعقل بھی قلبی ٹکڑے میں قرار پکڑتا ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ وغیرہ صاحب قلب وغیرہ کے لئے اس میں ذکر ہے وہی قلب خود آپ ہی اپنا ترجمان ہو جاتا ہے۔ اس وقت عارف کو قالب سے پالا پڑتا ہے ناری جزو جس کے وجود سے "انا خیر منہ" میں اس سے اچھا ہوں کی آواز نکلتی تھی فرمانبردار ہونے لگتا ہے اور ہوتے ہوتے اسلام حقیقی کے شرف سے مشرف ہو جاتا ہے۔ تب ابلیسی جامہ اس سے اُتار کر نفس مطمئنہ کے اصلی مقام میں پہنچاتے ہیں اور اس کا نائب مناب بنا دیتے ہیں پس قالب میں قلب حقیقی کا خلیفہ یہی گوشت کا ٹکڑا ہے اور نفس مطمئنہ کا نائب مناب جزو ناری ہے

مصرعہ۔ زر شد مسِ وجودِ من از کیمیائے عشق۔ جزوِ ہوائی روح سے مناسبت رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ سالک جب مقام ہوا تک عروج کر جاتا ہے۔ تو اسی ہوا کو حقانیت کا عنوان جاننے لگتا ہے۔ اور اسی میں گرفتار رہتا ہے چنانچہ مقام روح میں یہی شہود ہاتھ آتا ہے اور اس میں گرفتار رہتا ہے۔ ایک شیخ نے فرمایا ہے کہ میں تیس ۳۰ سال روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا۔ لیکن جب اس مقام سے مجھے عبور حاصل ہوا۔ تو حق و باطل میں تمیز ہو گئی یہ جزوِ ہوائی مقام روحی کی مناسبت کے سبب اس قالب میں روح کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اور بعض امور میں روح ہی کا کام دیتا ہے۔ جزوِ آبی حقیقت جامعہ قلبیہ سے مناسبت رکھتا ہے۔ اسی واسطے اس کا فیض تمام اشیاء کو پہنچتا ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ "ہم نے پانی سے تمام چیزوں کو زندہ کیا۔ اس کی بازگشت بھی یہی قلبی گوشت کا لوتھڑا ہے۔ جزوِ خاکی جو اس قالب کا جزوِ اعظم ہے۔ اپنی ذات صفات آلودگی۔ کمینگی اور خست سے پاک ہو کر اس قالب میں قالب پہ حاکم بن جاتا ہے۔ قالب میں ہر طرح کا حکم اسی کو حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی کا رنگ اختیار کرتا ہے۔ یہ بات اُسے خاک کی جامعیت تامہ کے سبب حاصل ہوتی ہے۔ تمام اجزائے قالب درحقیقت اسی کے اجزا ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ کرۂ زمین تمام عناصر افلاک کا مرکز ہے اور کرۂ زمین کا مرکز۔ تمام جہان کا مرکز ہے۔ اس وقت قالب کا معاملہ بھی انجام تک پہنچ جاتا ہے۔ اور عروج و نزول کا انتہائی درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور اعلیٰ درجہ کی تکمیل نصیب ہو جاتی ہے۔ یہ ہے وہ نہایت جو بدایت کی طرف رجوع رکھتی ہے۔ واضح رہے کہ روح معہ اپنے توابع و مراتب کو بطریق عروج اپنی جائے قرار پر پہنچ چکی ہو لیکن چونکہ ابھی اُسے قالب کی ترتیب کرنی ہوتی ہے۔ اس واسطے اس جہان کی طرف اس کے لئے متوجہ ہونا ضروری تھا۔ سو جب قالب کا معاملہ انجام تک پہنچ چکتا ہے۔ تو روح معہ سر۔ خفی۔ اخفیٰ۔ قلب نفس اور عقل جناب باری کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اور اس قلب سے بالکل منہ پھیر لیتی ہے۔ اس وقت قالب بھی ہمہ تن مقام عبودیت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے پس روح معہ اپنے مراتب کے شہود و حضور کے مقام میں جگہ پکڑتی ہے اور غیر حق کی دید و دانش سے بالکل منہ پھیر لیتی ہے اور قالب سر بسر مقام طاعت و بندگی میں راسخ ہو جاتا ہے۔ اس مقام کو "فرق بعد الجمع" وصال کے بعد جدائی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس کی لذت کی توفیق عنایت کرتا ہے۔ مجھے اس مقام میں خاص قدم حاصل ہے۔ وہ اس خاص

قدم سے مراد روح کا معہ اپنے مراتب عالم خلق کی طرف لوٹنا ہے تاکہ خلقت کو حق سبحانہٗ تعالےٰ کی طرف بلائے۔ اس وقت روح بمنزلہ قالب ہوتی ہے۔ اور اس کی تابع ہوتی ہے یہانتک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ اگر قالب حاضر ہے۔ تو روح بھی حاضر ہے اگر قالب غافل ہے تو روح بھی غافل ہے مگر نماز کے وقت خواہ قالب غافل ہی ہو روح معہ اپنے مراتب بارگاہ قدس کی طرف متوجہ ہوتی ہے اس واسطے نماز مومن کا معراج ہے۔ واضح رہے کہ یہ رجوع واصل جو بالتمام واقع ہوتا ہے۔ دعوت کا سب سے کامل مقام ہے یہ غفلت جمع کثیر کے حضور کا سبب ہے۔ غافلوں کو اس غفلت کی خبر نہیں۔ اور حاضروں کو اس حجت کا علم نہیں۔ یہ مقام بظاہر بُرا لیکن بباطن اچھا ہے۔ ہر ایک کوتہ اندیش اسے نہیں سمجھ سکتا اگر میں اِس غفلت کے کمالات بیان کروں تو کوئی شخص بھی حضور کی آرزو نہ کرے یہ وہ غفلت ہے جس نے خواص بشر کو خواصِ ملک پر فضیلت دی۔ یہ وہ غفلت ہے جس کے سبب جناب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم رحمت عالمیان بنے یہ وہ غفلت ہے جو ولایت سے نبوت تک پہنچاتی ہے۔ یہ وہ غفلت ہے جو نبوت سے رسالت تک لے جاتی ہے۔ یہ وہ غفلت ہے جو اولیائے عشرت کو اولیائے عزلت پر زیادتی بخشتی ہے یہ وہ غفلت ہے جو جناب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کو صدیق اکبرؓ پر سبقت دیتی ہے۔ حالانکہ دونوں گھوڑے کے دونوں کانوں کی طرح تھے۔ یہ وہ غفلت ہے جو ہوش کو مستی پر ترجیح دیتی ہے۔ یہ وہ غفلت ہے۔ جو نبوت کو ولایت سے افضل بناتی ہے۔ یہ وہ غفلت ہے جس کے سبب قطب ارشاد قطب ابدال سے افضل سمجھا جاتا ہے۔ یہ وہ غفلت ہے جس کی آرزو صدیق اکبرؓ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ "یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ سَہْوَ مُحَمَّدٍ" کاش محمدؐ کی سی بیہوشی مجھے نصیب ہوتی"۔ یہ وہ غفلت ہے۔ کہ حضور اس کا ایک ادنےٰ خادم ہے۔ یہ وہ غفلت ہے کہ وصول اس کے حصول کا پیش خیمہ ہے۔ یہ وہ غفلت ہے کہ بظاہر تنزل ہے لیکن حقیقت میں عروج ہے۔ یہ وہ غفلت ہے جس سے خواص پر عوام کا شبہ پڑتا ہے اور اُن کے کمالات کے قبول میں پھرتی ہے۔ ع

اگر گویم شرح ایں بیحد شود۔ یہ مشتے نمونہ از خروارے اور سمندر میں سے قطرہ کے مطابق لکھا گیا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِیْمَاتِ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا ٭

منہا۔ حضرت ختم المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام میں تجلّےٰ ذاتی سے ممتاز

ہیں۔ اور اس دولت سے جو تمام کمالات سے بڑھ کر ہے مخصوص ہیں۔ آنحضرت صلعم کے کامل تابعین کو بھی اس خاص مقام سے مقام حاصل ہوتا ہے۔ لیکن یاد رکھنا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امت محمدی کے کامل باقی تمام انبیاء سے افضل ہیں یہ اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کے سراسر خلاف ہے۔ یہ فضیلت جزئی نہیں کہ اس سے شبہ رفع ہو سکے بلکہ کلی ہے۔ کیونکہ مردانِ خدا کو بسبب قرب الٰہی فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اور جو فضیلت سے کم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ کہنے سے کہ اس امت کے کامل آدمیوں کو اس فضیلت سے نصیبہ حاصل ہے۔ یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس مقام کے واصل ہیں۔ کیونکہ نصیبہ حاصل ہونے اور واصل ہونے میں بڑا فرق ہے فضیلت واصل ہونے سے حاصل ہوتی ہے اس امت کے کاملوں کا انتہائی عروج اقدام انبیاء علیہم السلام کے نیچے تک ہے چنانچہ امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو انبیاء کے بعد تمام بنی نوع انسان سے افضل ہیں۔ کا انتہائی عروج قدم نبی کے تلے تک ہے۔ جو تمام انبیاء سے ادنےٰ ہے۔ آمدم برسرِ مطلب اس امت کے کامل تابعین کو مقام تحت میں پیغمبروں کے مخصوصہ مقام فوق الفوق کے کمالات سے نصیبہ حاصل ہوتا ہے۔ خادم خواہ کہیں ہو اُسے مخدوم کا پس خوردہ پہنچ رہتا ہے دور کا خادم مخدوم کے طفیل سے وہ چیز حاصل کر سکتا ہے جو خدمت کی دولت بغیر نزدیکوں کو بھی ہاتھ نہیں آتی ؎

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم — این بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

واضح رہے۔ کہ کبھی مریدوں کو اپنے پیروں کے حق میں یہ وہم پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ جب وہ پیروں کے مقامات حاصل کر لیتے ہیں۔ تو خیال کرنے لگتے ہیں کہ ہم اور ہمارے پیر برابر ہیں۔ لیکن معاملہ کی اصل حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے برابری اسی واسطے ہوتی جب اس مقامات پر پہنچ جائیں نہ کہ حاصل ہو جائیں۔ کیونکہ حصول طفیلی ہے۔ اس سے یہ بھی خیال نہ کرنا چاہیے کہ مرید اپنے پیر کے مساوی نہیں ہوتا۔ ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ مساوی ہونا جائز ہے۔ اور ایسا ہوا ہے۔ لیکن کسی خاص مقام کے حصول اور اس کے وصول میں بڑا باریک فرق ہے ہر مرید کو یہ دولت نصیب نہیں ہوتی۔ اس فرق کو معلوم کرنے کے لئے کشف صحیح اور الہام صریح درکار ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ بِالصَّوَابِ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۔

منہا۔ ایک درویش نے پوچھا اس کا کیا سبب ہے کہ اکثر طریقت پر ایسی حالت

بھی آتی ہے۔ کچھ عرصہ نہ آگے بڑھتا ہے نہ پیچھے ہٹتا ہے۔ کہ بعد ازاں پوشیدہ ہو جاتا ہے مدت بعد پھر وہی حالت ظاہر ہوتی ہے پھر عرصے بعد پوشیدہ ہو جاتا ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے ایسا ہی ہوتا رہتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی میں سات لطیفے ہیں۔ ہر ایک لطیفے کی مدتِ سلطنت جدا جدا ہے۔ پس اگر کوئی قوی حالت ان میں سے نہایت لطیف پر نزول فرمائے تو سالک کی کلیت اس لطیفے کے رنگ میں رنگی جاتی ہے اور وہ حال تمام لطائف میں سرایت کر جاتا ہے اور جتنی اس لطیفے کی مدت سلطنت مقرر ہوتی ہے اتنا عرصہ وہ حالت قائم رہتی ہے جب وہ عرصہ گذر جاتا ہے تو وہ حالت بھی زائل ہو جاتی ہے مدت بعد اگر پھر وہی حالت طاری ہو جائے۔ تو دو حال سے خالی نہیں یا تو پھر اسی پہلے لطیفے پر لوٹ آتا ہے اس وقت راہ ترقی سالک کے لیے مسدود ہو جاتی ہے یا دوسرے لطیفے پر وارد ہو رہی ہے اس صورت میں ترقی کی راہ کھل جاتی ہے اور دوسرے لطیفے میں بھی پہلے لطیفے کی سی حالت طاری ہوتی ہے پھر اس حالت کے زائل ہونے کے بعد اگر وہی حالت طاری ہو تو مذکورہ بالا دو حالتوں سے خالی نہیں اسی طرح سارے لطائف میں یہ حالت ہوتی ہے۔ پس اگر وہ وارد تمام لطائف میں بطریق اصالت سرایت کرے تو ایک مقام سے دوسرے میں منتقل ہوتا ہے اور زوال سے محفوظ رہتا ہے اللہ تعالیٰ حقیقت حال کو اچھی طرح جانتا ہے

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْبَشَرِ وَاٰلِہِ الْاَطْہَرِ ۔

منہا۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ " ۔ اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہارا رزق مقرر کیا اس میں سے پاکیزہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤ۔ اگر تم اسی کی پرستش کرتے ہو۔ ممکن ہے کہ یہ کھانے کے حکم کی قید من طیبات ما رزقناکم یعنی لذیذ چیزیں کھاؤ۔ جو ہم نے تمہارے لیے بطور رزق مقرر کی ہیں۔ بشرطیکہ تم بذریعہ عبادت اسے مخصوص اور درست کر لو۔ اگر تم اسے درست نہ کرو۔ بلکہ لہو و لعب میں مشغول ہو۔ تو لذیذ اشیا کا استعمال نہ کرو۔ کیونکہ تم مرضِ باطنی میں مبتلا ہو۔ اور لذیذ اشیاء تمہارے لیے زہر قاتل ہیں۔ جب تم سے باطنی مرض زائل ہو جائے۔ تو پھر تمہارے لیے لذیذ اشیاء کا استعمال درست ہو سکتا ہے۔ صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ طلب شکر کو ملحوظ رکھتے ہوئے طیبات سے مراد لذیذ اشیاء ہیں ۔

منہا۔ بعض مشائخ قدس اللہ اسرارہم نے فرمایا ہے۔ مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ لَا یَضُرُّہٗ ذَنْبٌ

جو شخص اللہ تعالے کو پہنچان لیتا ہے۔ اُسے گناہ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی وہ گناہ جو خداشناسی حاصل ہونے سے پہلے سرزد ہوئے تھے۔ کیونکہ اسلام تمام ان باتوں کو قطع کر دیتا ہے۔ جو اس سے پہلے ظہور میں آئی ہوں۔ اسلام کی حقیقت سے یہ مراد صوفیا کے طریقے کے موافق فنا و بقا حاصل ہونے کے بعد اللہ تعالےٰ کی شناخت کا حاصل ہونا ہے۔ سو یہی خداشناسی ان تمام گناہوں کو جو اس سے پہلے سرزد ہوتے ہیں۔ زائل کر دیتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں گناہ سے مراد وہ گناہ ہوں جو اس معرفت کے بعد سرزد ہوئے ہوں۔ اور ان سے مراد گناہ صغیرہ ہوں۔ کیونکہ اولیا اللہ کبیرہ گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں۔ صغیرہ اس واسطے نقصان نہیں دے سکتے۔ کہ انھیں چھپایا اور جس وقت کوئی صغیرہ ظہور میں آتا ہے۔ اسی وقت توبہ و استغفار سے اس کا تدارک کیا جاتا ہے اور یہ بھی جائز ہے۔ کہ اس کے یہ معنی ہوں۔ کہ خداشناسی کے بعد اس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہیں ہوتا کیونکہ جب گناہ صادر ہی نہ ہوگا۔ تو نقصان کیونکر پہنچا سکے گا۔ پس مجبور کو لازم کا ذکر کر کے ملزوم مراد لی ہے۔ ملحدوں نے اس عبارت کے جو بھی معنے نکالے ہیں کہ عارف کے لئے گناہوں کا ارتکاب سیع ہوجاتا ہے کیونکہ وہ اُسے نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ محض باطل اور صریح بے دینی ہے۔ یہ لوگ شیطانی گروہ ہیں۔ سنو شیطانی گروہ ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں اے پروردگار ہدایت عطا کرنے کے بعد ہمارے دلوں کو معرفت عنایت فرما اور اپنی طرف سے رحمت عطا کر۔ واقعی تو بہت بخشنے والا ہے۔ "صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَبَارَکَ" +

وسیع مغفرت والے سخی اللہ تعالے سے ہم امید کرتے ہیں۔ کہ حقیقت اسلام سے واقف عارف کو خداشناسی حاصل ہونے سے پہلے کے گناہ نقصان و تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے خواہ وہ گناہ مظالم و حقوق عباد کے متعلق ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے۔ اور بندوں کے دل اس کی دو انگلیوں کے مابین ہیں جس طرح چاہتا ہے انہیں اُلٹتا پلٹتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مطلق اسلام سے مظالم حقوق العباد کے سوا باقی گناہ منقطع ہو جاتے ہیں۔ کسی چیز کی حقیقت اور اس کی کمالیت زیادتی ہوتی ہے۔ نہ کہ اس کے مطلق کے لئے۔

منہا۔ حق سبحانہٗ تعالےٰ اپنی ذات سے موجود ہے۔ نہ کہ وجود سے اس کے برخلاف تمام موجودات وجود سے موجود ہیں۔ پس اللہ تعالےٰ کے موجود ہونے کیلئے وجود کا ہونا لازم نہیں۔ اگر حق سبحانہٗ تعالےٰ اپنی موجودیت کے لئے وجود کا محتاج ہوتا۔ تو ہمیں وجود کی

عینیت کا قائل ہونا پڑتا۔ اور اس کے ثبوت کے لئے بڑی لمبی چوڑی دلیلیں دینی پڑتیں۔ اور ایسا کرنے میں ہم جمہور اہل سنت والجماعت کی مخالفت کرتے۔ کیونکہ یہ بزرگ عینیت وجود کے قائل نہیں۔ بلکہ وجود کو زائد خیال کرتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ وجود کی زیادتی سے واجب الوجود کو غیر احتیاج لازم آتی ہے۔ اگر زائد وجود سے واجب تعالےٰ کو موجود کہیں۔ اور خواہ بذاتہٖ خود موجود کہیں۔ اور اس وجود کو عرض عام فرض کریں۔ تو بھی اہل حق جمہور متکلمین کی بات درست ہوتی ہے۔ اور احتیاج کا اعتراض جو مخالف لوگ کرتے ہیں۔ بالکل دور ہو جاتا ہے۔ واجب تعالیٰ کو اپنی ذات سے موجود رکھنے اور اس میں وجود کو بالکل دخل نہ دینے میں۔ اور اس وجود کو عین ذات ثابت کرنے میں بڑا واضح فرق ہے۔ یہ معرفت وہ ہے جس سے اللہ تعالےٰ نے مجھے مخصوص فرمایا۔ اس بات کے لئے اللہ تعالےٰ کا شکر ہے۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ +

منہا۔ حضرت واجب الوجود کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے۔ کہ وہ اپنی ذات سے موجود اور اس موجودیت میں وجود کا مطلق محتاج نہیں۔ خواہ وجود کی عین ذات فرض کریں۔ خواہ ذات پر زائد۔ برابر ہے۔ دونوں طرح ہی عینیت اور زیادتی خطرناک لازم آتی ہیں۔ چونکہ اللہ تعالےٰ کی عادت یونہی جاری ہے کہ جو چیز مرتبہ وجوب میں ہے۔ اس کا نمونہ ہر مرتبہ امکان میں ظاہر کرتا ہے۔ خواہ وہ کسی کو معلوم ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح کا اس خاصہ کا نمونہ عالم امکان میں وجود کو بنایا ہے۔ کیونکہ وجود گو موجود نہیں لیکن تاہم معقولات ثانویہ سے ضرور ہے۔ لیکن اگر ہم اس کے وجود کو فرض کر بھی لیں تو بھی وہ اپنی ذات سے موجود ہوگا۔ نہ کہ کسی اور وجود سے جیسا کہ عام طور پر مخلوق ہے یعنی تمام مخلوق موجودیت کے لئے وجود کی محتاج ہے۔ کیونکہ مخلوق کی موجودیت کے لئے اس کی ذات ہی کافی نہیں۔ بلکہ وجود کی ضرورت پڑتی ہے۔ پس جب کہ ایسا وجود جسے چیزوں کی موجودیت میں مدخل بنایا ہے۔ اگر وہ موجود ہوگا۔ تو اپنی ذات سے موجود ہوگا اور کسی اور وجود کا محتاج نہ ہوگا۔ تو کیا تعجب ہے کہ موجودات کا خالق مستقل طور پر اپنی ذات سے موجود ہو اور وجود کا بالکل محتاج نہ ہو دور افتادوں کا اسباب کو بعید از عقل خیال کرنا خارج از بحث ہے۔ سو اللہ تعالیٰ ملہم بالصواب ہے اگر کوئی یہ کہے۔ کہ امام ابو الحسن اشعری کے پیرو حکما اور بعض صوفی ذات الٰہی کے لئے عینیت وجود کے قائل نہیں۔ ان کی مراد بھی وہی ہے۔ جو آپ نے بیان فرمائی ہے۔ کہ واجب الوجود اپنی ذات سے موجود ہے۔ نہ کہ وجود سے تو اس کا جواب میں یہ دوں گا۔ کہ اس لحاظ سے تو وہ اہل سنت سے متفق الرائے ہیں۔ کیونکہ

اگر مخالف ہوتے تو اہل حق یہ کہتے کہ حق تعالیٰ وجود سے موجود ہے۔ نہ کہ ذات سے۔ اس پہلو سے تو زیادتی وجود کا اثبات زائد ہے۔ پس زیادتی وجود کا اثبات اسباب پر دلالت کرتا ہے۔ کہ دونوں فریق نفس وجود کے بارے میں مختلف رائے ہیں۔ اگر ان کا اختلاف رائے ہے۔ تو حق تعالیٰ کے وصف کے بارے میں ہے۔ جو عینیت و زیادتی ہے۔ یعنی دونوں فریق اس بات کے قائل ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ وجود سے موجود ہے۔ صرف اختلاف ہے تو عینیت و زیادتی کا ہے اگر یہ نہیں کہ جب واجب الوجود اپنی ذات سے موجود ہے۔ تو پھر واجب تعالیٰ کو موجود کہنے کے کیا معنی؟ موجود اسی کو کہتے ہیں۔ جس کا کوئی وجود نہیں۔ اور یہاں وجود کا ذکر تک نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی وہ وجود جس سے ذات حق موجود ہو۔ واجب تعالیٰ میں مفقود ہے لیکن جو وجود بطور عرض عام ذات حق کے لئے کہا جاتا ہے اور بطریق اشتقاق گمان کیا جاتا ہے اگر اس کے قیام کے لحاظ سے واجب الوجود کو موجود کہیں۔ تو اس میں گنجائش ہے۔ اور اس سے کسی قسم کا استحالہ لازم نہیں آتا۔ وَالسَّلام ❖

منہا۔ میں ایسے خدا کی ہرگز پرستش نہیں کرتا۔ جو شہود کے احاطہ میں آجائے دکھائی دے۔ معلوم ہو جائے اور وہم و خیال میں سما سکے۔ کیونکہ ظاہر ہونے والا۔ دکھائی دینے والا معلوم ہو جانے والا۔ وہم و قیاس اور خیال میں آنے والا۔ شاہد۔ دیکھنے والے۔ عالم۔ وہم و خیال کرنے والے کی طرح مخلوق و محدث ہوتا ہے۔ مصرعہ۔ آں لقمہ کہ در دہاں نگنجد طلبم سیر و سلوک کی اصلی غرض پردوں کا پورا اٹھنا ہے۔ خواہ وہ حجاب وجوبی ہوں یا امکانی۔ حتیٰ کہ بلا پردہ وصل میسر ہو جائے نہ یہ کہ مطلوب کو قید میں لا کر شکار کریں۔ ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں ۔۔۔ کا نیجا ہمیشہ باد بدست است دام را

باقی رہا یہ کہ آخرت میں دیدار حق ہوگا۔ سو اس پر ہمارا ایمان ہے۔ لیکن ہم اس کی کیفیت اس واسطے بیان نہیں کرتے کہ عوام الناس اسے نہیں سمجھ سکتے۔ خواص اسے سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ انہیں دیدار الٰہی دنیا میں بھی نصیب ہوتا ہے۔ گو اسے دیدار نہ ہی کہا جائے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ❖

منہا۔ جو چیز دید و دانش میں آسکتی ہے وہ تقلید اور اطلاق کے معیار سے گری ہوئی ہے۔ لیکن مطلوب وہ ہے جو تمام قیود سے منزہ و مبرا ہو۔ پس اُسے دید و دانش کے علاوہ ڈھونڈھنا چاہئے۔ یہ معاملہ نظر عقل کے طور سے پرے ہے۔ کیونکہ عقل دید و دانش

کے پرے ڈھونڈھنا محال جانتی ہے۔

رازِ درونِ پردہ زرندانِ مست پرس　　کین حال نیست صوفیِ عالی مقام را

منہا۔ مطلق اپنے اطلاق کے معیار پر ہے۔ کسی قسم کی قید کا اس میں دخل نہیں لیکن چونکہ مقید کے آئینے میں ظاہر ہوتا ہے اس واسطے اس کا عکس اس آئینے کے موافق رنگا جاتا ہے اور مقید و محدود دکھائی دیتا ہے اس واسطے دو دیدو دانش میں آتا ہے۔ اگر ہم دیدو دانش پر اکتفا کریں تو گویا ہم اس مطلوب کے ایک عکس پر اکتفا کرتے ہیں۔ بلند ہمت اشخاص اخروٹ و مُنَقّے سے سیر نہیں ہوتے اللہ تعالےٰ عالی ہمت آدمیوں سے پیار کرتا ہے۔ اے پروردگار! ہمیں بھی جناب سید البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے صدقے عالی ہمت بنا۔

منہا۔ شروع حال میں ایک روز کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایک مکان میں طواف کر رہا ہوں اور کچھ اور لوگ بھی میرے ساتھ اس طواف میں شریک ہیں۔ لیکن وہ اس قدر سست رو ہیں۔ کہ جتنے عرصہ میں میں ایک دفعہ طواف کرتا ہوں۔ وہ صرف دو تین قدم اٹھاتے ہیں۔ اسی اثناء میں معلوم ہوا۔ کہ یہ مکان فوق العرش ہے۔ اور باقی کے طواف کرنے والے ملائکہ کرام ہیں۔ صلے اللہ علی انبیائہ و علیہم اجمعین۔ اللہ تعالےٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے واقعی اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔

منہا۔ اولیاء اللہ کے حجاب و پردے ان کی بشری صفات ہیں۔ جن چیزوں کی باقی تمام لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے۔ ان بزرگوں کو بھی ہوتی ہے۔ ان کا ولی ہونا انہیں احتیاج سے بری نہیں کر سکتا۔ ان کی ناراضگی بھی عام آدمیوں کی ناراضگی کی طرح ہوتی ہے۔ اور تو اور خود جناب سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اَغۡضَبُ کَمَا یَغۡضَبُ الۡبَشَرُ" میں بھی عام انسانوں کی طرح ناراض ہوتا ہوں۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت ہے۔ تو اولیاء اللہ کیونکر اس سے بری ہو سکتے۔ کھانے پینے اور اہل و عیال سے زندگی بسر کرنے اور ان سے انس کرنے میں اولیاء اللہ اور باقی آدمی شریک ہیں۔ مختلف تعلقات جو لازمہ بشریت ہیں۔ خواص و عوام سے زائل نہیں ہو سکتے اللہ تعالےٰ جل شانہٗ نے انبیا علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے حق میں فرمایا ہے۔ "وَمَا جَعَلۡنٰهُمۡ جَسَدًا لَّا يَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ" ہم نے انکے جسم بھی کھانا کھانے والے بنائے ہیں۔ ظاہر میں کفار کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے۔ کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ پس جن کی نگاہ اولیاء اللہ کے صرف ظاہر پر پڑتی ہے۔

نہ نعمت الٰہی سے محروم رہتا ہے۔ اور دُنیا و آخرت کا نقصان اُٹھاتا ہے۔ اسی ظاہر بینی نے ابوجہل اور ابولہب کو دولت اسلام سے محروم رکھا۔ اور ابدی نقصان میں ڈالا۔ با سعادت وہی شخص ہے۔ جو اہل رتبہ کے ظاہر کا چنداں خیال نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی نظر کی تیزی ان بزرگوں کے باطنی اوصاف تک پہنچتی ہے۔ اور صرف ان کے باطن ہی کو دیکھتا ہے۔ اولیاء اللہ دریائے نیل کی طرح ہیں۔ کہ محجوبوں کے لئے بلا اور محبوبوں کے لئے پانی ہیں۔ یہ عجیب معاملہ ہے۔ کہ جس قدر صفات بشریت کا ظہور اہل اللہ میں ہوتا ہے باقی آدمیوں میں نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہموار اور مصفا مقام پر میل کچیل اور تاریکی خواہ تھوڑی ہی ہو۔ تو بھی زیادہ ظاہر ہوتی ہے۔ اور ناہموار اور غیر مصفا مقام پر میل کچیل اور تاریکی خواہ زیادہ ہی ہو۔ کم دکھائی دیتی ہے صفات بشریت کی تاریکی عوام الناس کے قلب و قالب اور روح و نفس میں سرایت کرتی ہے۔ لیکن خواص میں صرف قالب اور نفس تک محدود رہتی ہے اور خواص الخواص میں نفس بھی اس تاریکی سے بری ہوتا ہے۔ صرف قالب تک محدود رہتی ہے نیز یہ تاریکی عوام الناس کے لئے باعث نقصان و خسارت ہے۔ خواص میں موجب کمال و تروتازگی خواص ہی کی تاریکی عوام الناس کی تاریکیوں کو زائل کرتی ہے۔ ان کے دلوں کو صاف اور ان کے نفوس کو پاک کرتی ہے۔ اگر یہ تاریکی نہ ہوتی۔ تو خواص کو عوام سے کوئی مناسبت نہ ہوتی اور فائدہ اٹھانے اور پہنچانے کی راہ بند ہو جاتی۔ یہ تاریکی خواص میں اتنا عرصہ نہیں رہتی۔ کہ انہیں میلا کر دے۔ بلکہ اس کے بعد جو ندامت و استغفار ہاتھ آتی ہے وہ کئی کدورتوں اور تاریکیوں کو دور کر دیتی ہے اور ترقی نصیب ہوتی ہے۔ یہی تاریکی ہے جو فرشتوں میں نہ ہونے کے باعث وہ ترقی نہیں کر سکتے۔ اس تاریکی پر لفظ تاریکی کا اطلاق ایسا ہے کہ بظاہر باعث مذمت ہے لیکن بحقیقت موجب مدح ہے۔ عوام الناس جو ڈھور ڈنگروں کی طرح ہیں۔ وہ اہل اللہ کی صفات بشریہ کو اپنی صفات بشریت کی طرح خیال کرتے ہیں اس واسطے محروم و خوار رہتے ہیں۔ یوں سمجھو کہ وہ غائب کو باطل موجود پر قیاس کرتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو ہر مقام کی خصوصیتیں علیحدہ ہوتی ہیں۔ اور ہر محل کے لوازمات جدا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ ؁

منہا جب تک انسان علم و دانش میں گرفتار ہے۔ اور ماسوائے اللہ کے نقوش سے منقش ہے۔ تب تک خوار و بے اعتبار ہے۔ ماسوائے اللہ کو بھلا دینا راہ سلوک کی شرط ہے اور ما عدا کو فنا کر دینا قدم پیش گاہ ہے۔ جب تک باطنی آئینہ امکان کے زنگار سے صاف نہ ہو جائے

حضرت وجوب کا ظہور محال ہے۔ کیونکہ علوم امکانی اور معارف وجوبی کا جمع ہونا گویا جمع اضداد ہے یہاں پر ایک زبردست سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ جب عارف کو بقا سے مشرف کر کے ناقصوں کی تعلیم کے لیئے واپس لوٹاتے ہیں۔ تو جو علوم زائل ہو گئے تھے۔ وہ پھر عود کر آتے ہیں۔ تو اس صورت میں علوم امکانی اور معارف وجوبی باہم جمع ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ ضدیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عارف باقی باللہ اس وقت برزخ ہوتا ہے۔ گویا وجوب اور امکان کے مابین وسیلہ ہے۔ اور دونوں مقام کے رنگ سے رنگا ہوا ہوتا ہے۔ گویا ایسی صورت میں اگر دونوں مقاموں کے علوم و معارف جمع ہو جائیں۔ تو کوئی مشکل نہیں۔ کیونکہ ضدیں کے اجتماع کا مقام ایک نہیں رہتا۔ بلکہ کئی مقام ہو جاتے ہیں۔ سو دونوں جمع نہیں کہلاتے ✤

منہا۔ چیزوں کے علوم جو مرتبہ فنا میں زائل ہو گئے تھے۔ بقا کے بعد اگر پھر لوٹ آئیں تو اس سے عارف کے کمال میں نقص لازم نہیں آتا۔ بلکہ ان کا لوٹ آنا کمال پر دلالت کرتا ہے۔ بلکہ اس کا کمال اسی لوٹ آنے سے وابستہ ہے۔ کیونکہ عارف بقا کے بعد اخلاق الٰہی سے متخلق ہو جاتا ہے واجب تعالےٰ میں اشیا کا علم عین کمال ہے اور اس کی ضد موجب نقصان ہے۔ سو یہی حال عارف کا ہے۔ جو متخلق باخلاق اللہ ہوتا ہے۔ اس میں بھید یہ ہے۔ کہ ممکن کا علم معلوم کی صورت موجود ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔ پس ضروری ہے۔ کہ علوم کی صورت کا حصول عالم پر اثر کرتا ہے جس قدر علم زیادہ ہوگا۔ اسی قدر عالم میں تاثر بھی زیادہ ہو گا۔ اور اس میں تغیر و تبدل بھی زیادہ وسیع و بسیط ہوگا۔ یہ واقعی نقص ہے اس واسطے طالب کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام علوم کی نفی کرے۔ اور تمام چیزوں کو فراموش کر دے۔ لیکن واجب تعالیٰ کے علم کی کیفیت نہیں۔ کیونکہ ذات الٰہی اسبابات سے منزہ ہے۔ کہ اس میں اشیائے معلومہ کی صورتیں حلول کریں۔ بلکہ اُن سے علم کا تعلق ہوتے ہی تمام اس سے منکشف ہو جاتی ہیں۔ پس وہ ذات پاک ہے۔ جو حدوث مخلوق سے بلحاظ ذات، صفات اور افعال بالکل نہیں بدلتا۔ جو عارف متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے۔ اس کا علم بھی اسی طرح کا ہوتا ہے۔ اس میں بھی اشیائے کے معلومات کی صورتیں حلول نہیں کر سکتیں۔ نہ اس کے حق میں تاثر ہوتا ہے۔ نہ تغیر و تبدل اور نہ ہی یہ بات اس کے لئے نقصان کا باعث ہوتی ہے۔ بلکہ موجب کمال ہوتا ہے۔ یہ اسرار الٰہی میں سے ایک پوشیدہ راز ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اُسے وہ حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کی حرمت سے اس سے مخصوص کرتا ہے ✤

منہا۔ جب میں اپنے پیر کے وسیلے راہ حق کی طرف متوجہ ہوا۔ تو بارھویں سال مجھے مقام رضا سے مشرف فرمایا گیا۔ پہلے نفس کو اطمینان عنایت فرمایا۔ بعد ازاں بتدریج فضل الٰہی سے یہ سعادت (مقام رضا) نصیب کی۔ اور اس دولت سے اس وقت تک مشرف نہ ہوا۔ جبتک رضائے الٰہی حاصل نہ ہوئی۔ پس نفس مطمئنہ اپنے مولے سے راضی ہوا۔ اور اس کا مولا اس سے راضی ہوا۔ اس بات کے لئے اللہ تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ مبارک مبارک۔ والصلوٰۃ والسلام علےٰ رسولہٖ محمدؐ وآلہٖ اگر یہ کہیں کہ جب نفس اپنے مولے سے راضی ہو گیا۔ تو پھر دعا اور دفع بلا کی طلب کا کیا مطلب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مولے کے فعل سے راضی ہونے سے اس کی مخلوق کی رضا لازم نہیں آتی۔ بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ مخلوق سے رضا بصورت کفر و معاصی بری ہوتی ہے۔ پس خلق قبیح سے راضی ہونا لازم اور نفس قبیح سے کراہت کرنا واجب ہے۔ جب مولےٰ نفس قبیح سے راضی نہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ بندہ اس صورت میں شدت و غلظت کے لئے مامور ہے۔ پس مخلوق سے کراہت کرنا اس کے خلق کی رضا کا منافی نہیں ہو سکتا اسی واسطے دفع بلا کی طلب ضروری ہے۔ جن لوگوں نے رضا حاصل ہو جانے کے بعد وجود کراہت میں مفعول سے کراہت اور فعل سے راضی ہونے میں فرق نہیں کیا۔ وہ شبہے میں رہے ہیں اسی شبہے کو دور کرنے کے لئے انہوں نے طرح طرح کے تکلفات سے کام لیا ہے۔ اور کہا ہے کہ وجود کراہت حال رضا کا منافی ہے نہ مقام رضا کا۔ سو حال اور مقام میں بڑا فرق ہے۔ حق بات وہی ہے۔ جو میں نے بذریعہ الہام الٰہی تحقیق کر دی ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی ؂

منہا۔ مدت تک میری یہ آرزو رہی۔ کہ حنفی مذہب میں کوئی معقول وجہ ہو۔ تا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھی جائے۔ کیونکہ جب نماز میں قرآن شریف کا پڑھنا فرض ہے تو حقیقی قرأت سے اعتراض کر کے حکمی قرأت قرار دینا قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا۔ حالانکہ حدیث نبوی میں بھی ہے۔ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتٰبِ" الحمد بغیر نماز نہیں ہوتی۔ لیکن بپاس مذہب مجبوراً ترک کرتا رہا اور اس ترک کو ریاضت و مجاہدہ خیال کرتا رہا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے مذہب کے پاس کی برکت سے اس بات کی حقیقت مجھ پر ظاہر کر دی۔ کہ مذہب حنفی میں مقتدی کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کیوں نہیں پڑھنی چاہیئے۔ نیز مجھے قرأت حقیقی سے قرأت حکمی زیادہ زیادہ معلوم ہوئی یعنی حقیقت یہ

ہے۔ کہ امام اور مقتدی دونوں مقام مناجات میں کھڑے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ "لِاَنَّ الْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ" نمازی اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے سے ظاہر ہے۔ امام کو اس کام میں پیشوا بناتے ہیں۔ پس جو کچھ امام پڑھتا ہے گویا وہ مقتدیوں کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے کچھ لوگ کسی عظیم الشان بادشاہ کی خدمت میں کسی ضرورت کے لئے حاضر ہوں۔ اور ایک کو اپنا پیشوا بنائیں تاکہ سب کی طرف سے وہ بادشاہ کی خدمت میں صورت حال عرض کرے اس صورت میں اگر وہ سب بھی پیشوا کے ساتھ ہی بولنے لگ جائیں۔ تو سخت بے ادبی ہے۔ اور بادشاہ کی ناراضگی کا باعث ہے۔ بس ان لوگوں کی عکسی بات چیت پیشوا کی زبانی عرض کرنا حقیقی بات چیت سے بہتر ہے بعینہ یہی حال ہے۔ امام اور مقتدیوں کا کہ امام کی قرأت کے وقت مقتدیوں کا پڑھنا شور و فساد میں داخل اور دور از ادب ہے۔ اور جدائی کا موجب ہے جو اجتماع منافی ہے اکثر مسائل حنفی و شافعی جن میں اختلاف ہے اس قسم کے ہیں کہ ظاہر میں شافعی پہلو کو ترجیح ہوتی ہے۔ لیکن باطنی و حقیقت میں حنفی پہلو زبردست ہوتا ہے۔ مجھ پر یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ کلام حق میں جہاں جہاں فریقین کا اختلاف ہے۔ اس میں حنفی حق بجانب ہیں کہ تکوین ایک علیحدہ صفت ہے علٰی ہٰذا القیاس۔ فقہی خلافیات میں اکثر مسائل میں یقیناً حنفی حق بجانب ہے بہت کم مسائل ایسے ہیں جن میں فریق ثانی کو ترجیح حاصل ہے مجھے توسط حال ایک رات جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم علم کلام کے ایک مجتہد ہو اس وقت سے لے کر مسائل کلامیہ میں میرے رائے خاص اور میرا علم مخصوص اکثر مسائل خلافیہ جن میں ماتریدیہ اور اشاعرہ کا خلاف ہے شروع مسئلہ میں اشاعرہ حق بجانب معلوم ہوتے ہیں لیکن جب نور فراست سے دیکھا جائے۔ تو واضح ہو جاتا ہے۔ کہ ماتریدیہ حق بجانب ہیں۔ علم کلام کے متعلق تمام مسائل خلافیہ میں میری رائے علمائے ماتریدیہ کی رائے کے موافق ہے۔ واقعی ان بزرگوں کی شان بہ سبب پیروی سنت نبوی علٰی صاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ نہایت عظیم ہے ان کے مخالفوں کو فلسفی مسائل میں مشغول ہونے کے سبب وہ شان حاصل نہیں گو دونوں فریق اہل حق ہیں۔ دیکھو ان بزرگوں میں سے سب سے بزرگ اور سب سے بڑے پیشوا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی بابت کیا شافعیؒ کیا مالکؒ اور کیا احمد حنبلؒ سبھی اعلٰے رائے رکھتے ہیں۔ چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ "اَلْفُقَہَاءُ کُلُّہُمْ عِیَالٌ عَلٰی اَبِیْ حَنِیْفَۃَ" "تمام فقیہ ابو حنیفہ کے عیال ہیں" منقول

ہے کہ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی زیارت کرنے جاتے تو اپنے اجتہاد کو ترک کر دیتے اور اپنے لئے عمل کرتے اور فرماتے مجھے شرم آتی ہے۔ کہ ان کے حضور میں اپنے لئے ایسا عمل کروں۔ جو اِن کی رائے کے خلاف ہو۔ چنانچہ آپ نہ ہی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھا کرتے اور نہ ہی فجر کے وقت قنوت۔ واقعی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہی اچھی طرح جانتے ہیں۔ آخری زمانے میں۔ جب حضرت عیسےٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو مذہب حنفی کے مطابق عمل کریں گے چنانچہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ فصول ستہ میں فرماتے ہیں اور یہی اِن کی بزرگی کی کافی علامت ہے کہ ایک پیغمبر اولی العزم اُن کے مذہب پر عمل کرے گا۔ کسی کی سینکڑوں بزرگیاں بھی اُس کی ایک بزرگی کے برابر نہیں ہو سکتیں ہمارے حضرت خواجہ صاحب (خواجہ باقی قدس سرہٗ) فرماتے تھے۔ کہ مَیں بھی کچھ عرصہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھا کرتا تھا۔ آخر ایک رات خواب میں مَیں نے امام اعظم کو دیکھا۔ کہ اپنی مدح میں ایک نہایت اعلےٰ درجے کا قصیدہ پڑھ رہے ہیں۔ جس کے مضمون سے ظاہر ہوتا تھا۔ کہ بہت سے اولیا میرے مذہب کے پابند ہوئے ہیں۔ تب سے میں نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا ترک کر دیا +

منہا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی کامل کسی ناقص کو تعلیم طریقہ کی اجازت دے دیتا ہے۔ اور جب اُس کے مرید بہت ہو جاتے ہیں تو اس ناقص کے مرید اس کا کام مکمل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہ نے مولانا یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ کو درجہ کمال پر پہنچنے سے پیشتر تعلیم طریقہ کی اجازت عنایت فرمائی۔ اور حکم دیا۔ کہ یعقوب جو کچھ مجھ سے تجھے ملا ہے۔ وہ لوگوں کو پہنچا دینا۔ مولانا یعقوب کا کام بعد ازاں خواجہ علاؤالدین عطار قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں سرانجام ہوا۔ اسی واسطے مولانا عبدالرحمٰن جامی نفحات الانس میں لکھتے ہیں۔ کہ مولانا یعقوب پہلے خواجہ علاؤالدین عطار کے مرید تھے۔ بعد میں خواجہ نقشبند کے مرید ہوئے۔ اسی طرح جب کوئی کامل اپنے مرید کو جس نے ولایت کا ایک درجہ طے کر لیا ہو۔ تعلیم طریقہ کی اجازت دے تو وہ مرید ایک لحاظ سے کامل ہے۔ اور ایک لحاظ سے ناقص۔ یہی حال اس مرید کا ہے۔ جس نے ولایت کے دو یا تین درجے طے کئے ہوں۔ وہ ناقص بھی ہے اور کامل بھی۔ کیونکہ جب تک آخری درجہ طے نہ کر لے۔ وہ کامل بھی ہوتا ہے اور

ناقص بھی۔ جب کامل اپنے مرید کو تعلیم طریقت کی اجازت دینے کا مختار ہے۔ تو یہ ضروری نہیں کہ مرید انتہائی درجہ کر چکا ہو۔ واضح رہے کہ گو نقص اجازت کا منافی ہے۔ لیکن جب کوئی کامل و مکمل کسی ناقص کو اپنا نائب بناتا ہے۔ اور اس کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ جانتا ہے تو نقص کا ضرر تجاوز نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب +

منہا۔ یادداشت سے مراد دائمی حضور ذات حق ہے۔ اور یہ بات کبھی ارباب قلوب کو بھی دل کی جمعیت کی وجہ سے خیال میں آجاتی ہے۔ اس واسطے کہ جو کچھ سارے انسان میں ہے وہ اکیلے دل میں ہے۔ گو ان میں مجمل و مفصل کا فرق ہے۔ پس مرتبہ قلب میں بھی حضور ذات تعالیٰ و تقدس دائمی طور پر حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بات یادداشت کے طور پر ہے نہ کہ یادداشت کی حقیقت ہو سکتا ہے۔ کہ بزرگوں نے جسے بدایت میں نہایت فرمایا ہے۔ اس سے مراد یہی یادداشت ہو۔ لیکن یادداشت کی حقیقت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ ہو سکے۔ اگر ان کی مراد ذات حق کے مرتبہ وجوب سے ہو۔ کیونکہ ذات اس مرتبہ میں صفات وجوبیہ کی جامع ہے۔ تو پھر تمام مراتب امکانی طے کرنے کے بعد اس مرتبہ کے شہود میں پہنچتے ہی یادداشت حاصل ہو جاتی ہے۔ تجلیات صفاتی میں بھی یہ بات حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اشارے میں صفات کا لاحظہ حضور ذات حق کا منافی نہیں ہوتا۔ اگر ان کی مراد حضرت ذات تعالےٰ سے مرتبہ احدیت مجردہ ہو۔ جو اسماء و صفات اور نسبت و اعتبارات سے مُبرا ہے۔ تو پھر اسمائے صفاتی۔ نسبی اور اعتباری تمام مراتب طے کرنے کے بعد یادداشت حاصل ہوئی ہے۔ میں نے جہاں کہیں یادداشت کا بیان کیا ہے اس سے مراد آخری معنے لئے ہیں۔ گو اس مرتبہ میں حضور کا اطلاق کچھ نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارباب یادداشت سے مخفی نہیں۔ کیونکہ وہ غیبت حضور سے اعلےٰ و ارفع ہے۔ حضور کے اطلاق کے لئے کسی ایک صنعت کا لاحظہ درکار ہے۔ جو کچھ لفظ حضور کے مناسب ہے یادداشت کی تفسیر دوسرے معنوں میں ہے۔ اس لحاظ سے یادداشت کو نہایت کہنا باعتبار شہود و حضور ہے۔ کہ اس مرتبہ کے آگے شہود و حضور کی گنجائش نہیں۔ وہاں یا حیرت ہے یا جہل یا معرفت۔ لیکن وہ معرفت نہیں جسے تم معرفت جانتے ہو۔ کیونکہ جسے تم معرفت خیال کرتے ہو۔ وہ افعالی و صفاتی معرفت ہے۔ اور یہ مقام اسماء و صفات سے بدرجہا اوپر ہے۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْبَشَرِ وَعَلٰی اٰلِہِ الْاَطْہَرِ

منہا۔ یہ راستہ طے کرنا۔ اور نہایت النہایت پر پہنچنا دس مقامات مشہورہ کے

طے کرنے سے وابستہ ہے۔ جن میں سے پہلا توبہ ہے۔ اور آخری رضا۔ مراتب کمال میں کوئی مرتبہ و مقام مقام رضا سے بڑھ کر نہیں۔ حتے کہ آخرت میں رویت الہٰی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مقام رضا کی اصلی حقیقت پورے طور پر آخرت میں ظاہر ہوگی۔ باقی مقامات آخرت میں میسر نہیں ہو سکتے۔ توبہ[1] کے وہاں کچھ معنی نہیں زہد[2] کی وہاں گنجائش نہیں۔ توکل ہو نہیں سکتا۔ صبر[4] کا احتمال نہیں۔ وہاں شکر[5] وہاں میسر ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ شکر بھی رضا کی ایک شاخ ہے۔ رضا سے علیحدہ نہیں۔ اگر یہ پوچھیں کہ کبھی کامل و مکمل میں دنیاوی رغبت پائی جاتی ہے۔ اور بعض ایسی باتیں دیکھنے میں آتی ہیں جو توکل کی منافی ہیں۔ اور بے طاقتی جو منافی صبر ہے۔ ظاہر ہوتی ہے اور کراہت جو رضا کی ضد ہے پائی جاتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان مقامات کا حاصل ہونا قلب و روح سے مخصوص ہے۔ خاص الخاص کو یہ مقامات نفس مطمئنہ میں بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ لیکن قالب اس بات سے محروم و بے نصیب ہے اگرچہ جسم تیزی اور قوت کی وجہ سے مقتضی ہوتا ہے۔ ایک شخص نے شیخ شبلی علیہ الرحمۃ سے پوچھا۔ کہ آپ محبت کا دعوے کرتے ہیں۔ لیکن آپ کا مٹاپا منافی محبت ہے۔ آپ نے جواب میں یہ شعر فرمایا ؎

اَحَبَّ قَلْبِیْ وَمَا دَرٰی بَدَنِیْ ۔۔۔ وَلَوْ دَرٰی مَا اَقَامَ فِی السِّمَنِ

"محبوب حقیقی سے میرے دل نے محبت کی۔ میرے بدن کو وہ معلوم نہ ہوا۔ اگر وہ بھی جانتا تو اتنا موٹا نہ ہو جاتا"

پس اگر کوئی ایسی بات جو مقامات مذکورہ کی منافی ہو۔ کسی کامل کے قالب میں ظاہر ہو۔ تو وہ ضرر نہیں دے سکتی۔ تو وہ اس بزرگ کے باطن کے لئے ان مقامات کے حصول میں خارج نہیں ہو سکتی۔ غیر کامل میں ان مقامات کے نقائص پورے طور پر ظاہر و باطن میں ظہور کرتے ہیں۔ اس لئے وہ ظاہر و باطن میں دنیا کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور صورت حقیقت میں منافی توکل ہوتا ہے اس قلب و قالب میں بے طاقتی اور گھبراہٹ ظاہر ہوتی ہے روح اور بدن میں کراہت کا ظہور ہوتا ہے۔ یہی باتیں ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے اپنے اولیاء کا پردہ بنایا ہے اور انہیں باتوں کی وجہ سے اکثر لوگ ان بزرگوں کے کمالات سے محروم رہے ہیں۔ اولیاء اللہ میں جو یہ باتیں پائی جاتی ہیں۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ حق و باطل میں تمیز نہیں ہو سکتی۔ جو اس دنیا کی لازم بات ہے۔ جو امتحان کا مقام ہے دوسری حکمت اس میں یہ

ہے کہ یہ اُن کے لئے ترقی کا باعث ہے اگر اولیا اللہ سے یہ باتیں بالکل مفقود ہو جائیں۔ تو اُن کی ترقی مسدود ہو جائے۔ اور فرشتوں کی طرح مقید رہ جائیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِیْمَاتِ اَتَمُّہَا وَاَکْمَلُہَا۔

منہا۔ الٰہی! یہ کیا بات ہے کہ تو نے اپنے اولیا کے باطن کو آبِ حیات بنا رکھا ہے۔ کہ جس نے ایک قطرہ چکھا۔ اُسے حیاتِ ابدی نصیب ہو گئی۔ اور اُن کے ظاہر کو زہرِ قاتل بنا رکھا ہے کہ جس نے اس کو دیکھا۔ وہ ابدی موت میں گرفتار ہوا۔ یہ ایسے لوگ ہیں۔ کہ اُن کا باطن رحمت اور ان کا زہرِ ظاہر زحمت ہے۔ اُن کے باطن کو دیکھنے والا اُنہیں۔ میں سے ہے۔ اور اُن کے زہر کو دیکھنے والا بد کیش ہے بظاہر جَو ہیں اور بحقیقت گیہوں بظاہر عوام بشر ہیں اور بباطن خواص ملک۔ ظاہر میں زمین پر ہیں اور حقیقت میں آسمان پر۔ ان کا ہم نشین بدبختی سے بچا ہوا ہے۔ اور اِن کا غمخوار سعادت مند ہے یہ لوگ گروہ الٰہی ہیں اور یہی لوگ اہلِ نجات و فلاح ہیں۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ ٭

منہا۔ حق سبحانہٗ تعالےٰ نے اپنے اولیا کو اس طرح پوشیدہ کیا ہے۔ کہ اُن کے ظاہر کو بھی اُن کے باطنی کمالات کی خبر نہیں۔ چہ جائیکہ غیر اُن سے واقف ہوں۔ ان کے باطن کو جو نسبت بے چونی و بے چگونی کے مرتبہ سے حاصل ہے۔ وہ بھی بیچون ہے۔ ان کا باطن چونکہ عالمِ امر سے ہے۔ اس واسطے بیچونی سے انہیں بھی حصہ حاصل ہے اور ظاہر جو سراسر چون ہے۔ اِن کے باطن سے کیونکر واقف ہو سکتا ہے۔ بلکہ قریب ہے کہ بسبب نہایت جہالت اور عدم مناسبت اس نسبت کے نفس حصول سے بھی انکار کرے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ حصولِ نسبت کے نفس کو جانے لیکن یہ نہ جانے کہ اِس کا متعلق کون ہے بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوا ہے۔ کہ اُس کے حقوقِ متعلق کی نفی کرتا ہے اور یہ ساری باتیں اس واسطے ہیں کہ یہ نسبت بہت اعلےٰ ہے اور ظاہر بہت ادنےٰ ہے خود باطن اس نسبت کا مغلوب ہوتا ہے اور دید و دانش سے گیا گذرا ہوتا ہے اسے کیا معلوم کہ کون رکھتا ہے اور کس سے رکھتا ہے اس واسطے معرفت سے عجز کے سوا اور کوئی معرفت کی راہ نہیں یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اَلْعَجْزُ عَنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ معلوم کرنے سے عاجز آنا ہی معلوم کرنا ہے۔ ادراک کے نفس سے مراد وہ نسبت خاصہ ہے کہ جس کے ادراک سے عجز سے لازم ہے۔ کیونکہ صاحب ادراک مغلوب ہوتا ہے نہ اسے ادراک معلوم ہوتا ہے

نہ غیر۔ اور نہ اُسے حال کی خبر ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے ؞

منہا۔ ایک شخص صوفیوں کے لباس میں رہ کر بد عت اعتقادی میں مبتلا تھا۔ مجھے اُس کے حق میں تردد تھا۔ اتفاقاً کیا دیکھتا ہوں کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰت جمع ہیں اور متفق ہو کر اس شخص کے حق میں فرماتے ہیں کہ ہم سے نہیں اسی اثناء میں مجھے ایک اور شخص کا بھی خیال آیا۔ جس کے بارے میں مَیں متردد تھا۔ اس کے بارے میں تمام نے فرمایا کہ وہ ہم میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کے طعن اور اُن کے حق میں بد اعتقاد ہونے سے بچائے ؞

منہا۔ مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ قرآن شریف میں جو قرب معیت اور احاطہ حق سبحانہ تعالیٰ کے الفاظ آتے ہیں۔ یہ متشابہات قرآنی ہیں۔ جیسے ہاتھ اور چہرہ وغیرہ۔ اسی طرح لفظ اول و آخر ظاہر اور باطن وغیرہ گو ہم اللہ تعالیٰ کو قریب کہتے ہیں۔ لیکن قرب کے معنے نہیں جانتے کہ قرب کیا ہے اسی طرح ہم اسے اول کہتے ہیں لیکن قرب کے معنے نہیں جانتے کہ اول سے مراد کیا ہے قرب و اولیت کے جو معنی ہمارے علم و فہم میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن سے منزہ و برتر ہے اور جو کچھ ہمارے کشف و شہود میں آسکتا ہے اللہ تعالیٰ اُس سے پاک ہے اللہ تعالیٰ کا قرب و معیت جو بعض صوفیا نے بطریق کشف دریافت کیا ہے۔ اور ان کشفی معنوں کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کو قریب و معَ جانتے ہیں۔ ٹھیک نہیں۔ بلکہ وہ مذہب مجسمہ میں قدم رکھتے ہیں۔ بعض علماء نے جو اس کی تاویل کی ہے۔ اور قرب سے مراد علمی قرب لی ہے یا ایسی ہے۔ جیسے مدد کی تاویل قدرت و وجہ سے کریں گو یہ مجوزان تاویل کے نزدیک جائز ہے۔ لیکن ہم تاویل کو جائز قرار نہیں دیتے اس کی تاویل علم حق کے حوالے کرتے ہیں۔ اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی ؞

منہا۔ مَیں وتر کی نماز کبھی رات کے پہلے حصے میں ادا کیا کرتا تھا۔ اور کبھی پچھلے حصے میں ایک رات مجھ پر ظاہر کیا کہ تاخیر کی صورت میں ادائے وتر کی نیت سے جو نمازی سو جاتا ہے۔ کہ رات کے آخری حصہ میں ادا کروں گا تو کراماً کاتبین رات بھر وتر ادا کرنے تک اس کی نیکیاں درج کرتے رہتے ہیں پس وتر کو جتنی دیر سے ادا کریں اتنا ہی اچھا ہے۔ باوجود اس بات کے مجھے وتر کی تعجیل و تاخیر سے سوائے متابعت نبویؐ کے اور کچھ مقصود نہیں۔ میں کسی فضیلت کو متابعت نبوی کے برابر نہیں سمجھتا۔ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم وتر کی نماز کبھی رات کے پہلے حصے میں ادا کرتے تھے۔ اور کبھی آخری حصے میں۔ مَیں اپنی

سعادت اس بات میں جانتا ہوں۔ کہ کسی کام میں آنحضرت صلعم سے تشبیہ حاصل کروں۔ اگرچہ تشبیہ بحسبِ صورت ہی ہو۔ لوگ بعض سنتوں میں شب بیداری کی نیت کرتے ہیں۔ اور اور باتوں کو دخل دیتے ہیں۔ مجھے اُن کی کوتہ اندیشی پر تعجب آتا ہے۔ ہم تو جو بھر متابعت کے بدلے ہزار شب بیداری کو بھی نہ خریدیں۔ جب ہم ماہِ رمضان کے آخری دس دنوں میں معتکف ہوئے تو یاروں کو بلا کر کہا کہ سوائے متابعت اور کچھ نیت نہ کرنا۔ کیونکہ ہماری قطع تعلقی کچھ وقعت نہیں رکھتی ہم ایک متابعت کو سو گرفتاری سے قبول کرتے ہیں۔ لیکن غیر متابعت سے ہزار قطع تعلق کو بھی قبول نہیں کرتے ؎

آں را کہ در سرائے نگاریست فارغست   از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

اللہ تعالیٰ جناب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہمارے نصیب کرے ٭

منہا۔ ایک دفعہ میں چند درویشوں سمیت بیٹھا تھا۔ میں نے اس محبت کے غلبہ کی وجہ سے جو مجھے جناب سرورِ کائنات سے ہے کہا کہ آنحضرت صلعم کی محبت مجھ پر اس طرح غالب ہے کہ میں حق تعالےٰ کو صرف اس واسطے پیار کرتا ہوں کہ وہ محمدؐ کا رب ہے حاضرین یہ سُن کر حیران رہ گئے۔ لیکن مخالفت نہ کر سکتے تھے۔ یہ بات رابعہ بصری علیہا الرحمۃ کی بات کا بالکل نقیض ہے کہ فرماتی ہیں۔ کہ میں نے جناب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خواب میں عرض کیا کہ اللہ تعالےٰ کی محبت مجھ پر اس درجہ غالب ہے۔ کہ آپ کی محبت کی گنجائش نہیں رہی۔ یہ دونوں باتیں سُکر سے ہیں۔ لیکن میری بات اصلیت رکھتی ہے۔ مگر رابعہ نے محض مستی کی حالت میں کہی ہے۔ اور میں نے ہوش کے آغاز میں۔ اس کی بات صفات کے مرتبہ کے متعلق ہے اور میری مرتبہ ذات سے رجوع کرنے کے بعد کی اس واسطے کہ مرتبہ ذات میں اس قسم کی محبت کی گنجائش نہیں۔ تمام نسبتیں اس مرتبہ سے نیچے ہی رہ جاتی ہیں۔ وہاں پر سربسر یا حیرت ہے یا جہل۔ بلکہ اس مرتبہ میں بڑے ذوق سے محبت کی نفی کرتا ہے۔ اور کسی طرح سے بھی اپنے آپ کو اس کی محبت کے لائق نہیں جانتا۔ محبت اور معرفت صرف صفات میں ہوتی ہے۔ جسے محبت ذاتی کہتے ہیں۔ اس سے مراد ذات احدیت نہیں۔ بلکہ ذات مع بعض اعتبارات ذات ہے۔ پس رابعہؒ کی محبت مرتبہ صفات میں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ والصَّلٰوۃُ والسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ البَشَرِ وَآلِہِ الاَطْہَرِ ٭

منہا۔ علم کی شرافت معلوم کے شرف و رتبہ کے موافق ہوا کرتی ہے۔ معلوم جس قدر شریف ہوگا۔ علم اسی قدر عالی ہوگا۔ پس باطنی علم جس سے صوفیا ممتاز ہیں۔ ظاہری علم سے جو علمائے ظاہر کے نصیب ہے۔ اشرف ہے جس طرح کہ علم ظاہری علم حجامت و کپڑا بننے سے اشرف ہے۔ پس پیر کے آداب کا ملحوظ رکھنا جس سے علم باطن اخذ کیا ہو۔ علم ظاہری کے استاد کے آداب ملحوظ رکھنے سے بدرجہا زیادہ ہے۔ اسی طرح ظاہری علم کے استاد کا ادب حجام اور جولاہے سے بدرجہا زیادہ کرنا چاہئے۔ یہی فرق ظاہری علوم میں باہمی ہے چنانچہ صرف و نحو کے استاد سے علم کلام اور فقہ کا استاد افضل ہے اور علوم فلسفی کے استاد سے صرف و نحو کا استاد افضل ہے۔ کیونکہ علوم فلسفی معتبر علوم میں داخل نہیں اس واسطے کہ ان کے اکثر مسائل بیہودہ اور بیحاصل ہیں اور جو تھوڑے مسائل اسلامی کتابوں سے اخذ کئے ہیں۔ ان میں بھی ایسے تصرفات کئے ہیں جو جہل مرکب سے خالی نہیں عقل میں ان کی بو تک نہیں نبوت کا طور اور ہے اور عقل نظری کا اور۔ واضح رہے کہ پیر کے حقوق سے فائق ہیں۔ بلکہ اللہ تعالے اور اس کے رسول کے حقوق کو چھوڑ کر دوسرے حقوق کو پیر کے حقوق سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ بلکہ سب کے حقیقی پیر جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ظاہری ولادت اگرچہ والدین سے ہوتی ہے۔ لیکن معنوی پیدائش پیر سے مخصوص ہے ظاہری ولادت کی زندگی چندروزہ ہوتی ہے۔ اور حقیقی ولادت کی زندگی ابدی ہوتی ہے۔ مرید کی باطنی پلیدی کو صاف کرنے والا پیر ہی ہے جو اپنے قلب و روح سے مرید کے باطن کی پلیدی کو صاف کرتا ہے اور اس کے معدے کو پاکیزہ بناتا ہے۔ بعض طالبوں کو جب توجہ دی جاتی ہے تو واقعی محسوس ہوتا ہے کہ ان کی باطنی نجاستوں کو صاف کرتے ہوئے صاحب توجہ پر بھی آلودگی اثر کرتی ہے اور دیر تک مکدر رکھتی ہے پیر ہی کے وسیلے انسان خدا رسیدہ ہوتا ہے یہ خدا رسیدگی تمام دنیاوی اور اخروی سعادتوں سے افضل ہے۔ پیر ہی کے وسیلے نفس امارہ جو بالذات خبیث ہے پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ اور امارگی کو چھوڑ اطمینان حاصل کرتا ہے اور ذاتی کفر ترک کر کے حقیقی اسلام اختیار کرتا ہے مصرعہ گر بگویم شرح این بیحد شود پس اپنی سعادت پیر کی قبولیت میں خیال کرنی چاہئے اور اپنی بدبختی اس کے رد کرنے میں نعوذ باللہ سبحانہ من ذالک رضائے حق رضائے پیر کے پردہ کے پیچھے رکھی ہوئی ہے جب تک مرید اپنے آپ کو پیر کی مرضیات میں گم نہیں کرتا حق تعالے کی

مرضیات تک نہیں پہنچتا۔ مرید کی آفت پیر کو ناراض کرنے میں ہے اس کے بغیر جو خواری ہے اس کا تدارک ہو سکتا ہے۔ لیکن پیر کی ناراضگی کا تدارک ناممکن ہے پیر کی ناراضگی مرید کے لئے بدبختی کی جڑھ ہے۔ نَعُوذُ بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْ ذٰلِكَ۔ اس ناراضگی سے اسلامی معتقدات میں خلل اور احکام شرعی کے بجا لانے میں فتور آجاتا ہے باطنی احوال و مواجید کا تو کچھ پوچھو ہی نہیں اگر پیر کو ستانے کے بعد بھی احوال کا کچھ اثر رہے تو اسے استدراج سمجھنا چاہئے کیونکہ آخر اس کا نتیجہ خراب ہوتا ہے سوائے نقصان کے اور کچھ نتیجہ نہیں نکلتا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

منہا۔ قلب عالم امر سے ہے اسے عالم خلق سے تعلق اور تعشق دے کر عالم خلق سے نیچے لایا گیا۔ اور گوشت کے ٹکڑے سے جو بائیں طرف ہے۔ خاص تعلق بخشا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کسی خاکروب پر عاشق ہو۔ اور اس کے سبب سے اس خاکروب کے گھر رہے اور روح جو قلب سے زیادہ لطیف ہے۔ اصحاب یمین سے ہے۔ اور تین لطیفوں سے جو لطیفہ روح سے اوپر ہیں خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا کے شرف سے مشرف ہیں۔ جتنے زیادہ لطیف ہیں اتنے ہی وسط سے زیادہ مناسب ہیں صرف اتنی بات ہے کہ سر اور خفی اخفی کے دونوں طرف ہیں ایک دائیں طرف دوسرا بائیں طرف نفس حواس کا مجاور ہے اس کا تعلق دماغ سے ہے قلب کو ترقی وہی وقت ہوتی ہے جب وہ مقام روح اور اس کے روبرو کے مقام میں پہنچتا ہے۔ اسی طرح روح اور اس کے مافوق کی ترقی اوپر سے بالائی مقامات سے وابستہ ہے لیکن ابتدا میں یہ وصول بطریق احوال ہوتا ہے اور انتہا میں بطریق تمام۔ نفس کو اسی وقت ترقی ہوتی ہے۔ جب وہ مقام قلب میں ابتدا میں بطریق احوال اور انتہا میں بطریق مقام پہنچ جائے۔ آخر کار یہ چھ لطائف مقام اخفیٰ میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور تمام ملکر عالم قدس کی طرف پرواز کرنے کا قصد کرتے ہیں۔ اور لطیفہ قلب کو خالی چھوڑ جاتے ہیں لیکن یہ پرواز بھی ابتدا میں بطریق احوال ہوتا ہے۔ اور انتہا میں بطریق مقام روح حاصل ہوتی ہے۔ مرنے سے پہلے جس موت کی بابت کہا ہے اس سے مراد قلب سے انہیں چھ لطائف کی جدائی ہے۔ قالب میں ان کی مفارقت کے بعد بھی حس و حرکت رہتی ہے۔ اس بات کا بیان اور جگہ لکھا گیا ہے وہاں سے مطالعہ کرنا چاہئے اس کتاب میں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔ اس کتاب میں صرف اشارتاً اور کنایتاً باتیں درج ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ تمام لطائف ایک مقام میں جمع ہو کر وہاں

سے پرواز کریں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قلب اور روح دونوں متفق ہو کر یہ کام کرتے ہیں۔ کبھی تین کبھی چار مل کر یہ کام کرتے ہیں۔ لیکن جب چھ مل کر پرواز کریں تو نہایت اعلےٰ و اکمل درجہ ہے اور ولایت محمدی سے مخصوص ہے اُس کے سوا جو ہے وہ ولایت کی ایک قسم ہے۔ اگر وہ چھ لطائف قالب سے جدا ہونے کے بعد مقام وصول میں پہنچکر اُس کے رنگ سے رنگے جائیں اور پھر قالب میں لوٹ آئیں اور حبی تعلق کے سوا اور کوئی تعلق پیدا کریں۔ قالب کا حکم پیدا کریں۔ ملنے کے بعد ایک قسم کی فنا پیدا کریں اور بطور مردہ ہو جائیں۔ تو اُس وقت خاص تجلی سے متجلی ہو جاتے ہیں۔ از سر نو زندگی پیدا کر کے مقام بقا باللہ حاصل کرتے ہیں۔ اور اخلاق الہٰی سے متحقق ہو جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں اگر وہ خلعت بخش کر پھر عالم میں بھیجے جائیں۔ تو معاملہ نزدیک سے دور جا پڑتا ہے۔ اور مقدمہ تکمیل پیدا ہوتا ہے۔ اگر پھر جہان میں نہ بھیجیں اور قرب کے بعد بُعد حاصل نہ ہو۔ تو وہ اولیائے عزلت سے شمار ہوگا۔ اور اُس کے ہاتھ سے طالبوں کی تربیت اور ناقصوں کی تکمیل نہ ہوگی۔ یہ ہے کمالی ہدایت و نہایت کی بطریق رمز و اشارہ لیکن اُس کا سمجھنا بغیر ان منزلوں کو طے کئے محال ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ +

منہا۔ حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ ازل سے ابد تک ایک ہی کلام سے متکلم ہے۔ اس کلام کے اجزا نہیں ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ کے حق میں خاموشی یا گونگاپن کا ہونا محال ہے کوئی عجب نہیں کہ ازل سے ابد تک وہاں ایک ہی ساعت ہو۔ کیونکہ وہاں زمانے کا دخل نہیں ایک گھڑی میں سوائے کلام واحد اور بسیط کے اور کیا وقوع میں آسکتا ہے۔ اسی کلام واحد سے کئی قسم کے کلام پیدا ہوتے ہیں۔ جو بلحاظ تعلقات مختلف قسم کے ہیں۔ مثلاً اگر مامور کے متعلق ہے تو امر پیدا ہوا ہے۔ اور اگر رکاوٹ کے متعلق ہے تو نہی نام پایا ہے۔ اگر رضا کے متعلق ہے تو خبر ہو گئی ہے۔ آمدم بر سر مطلب۔ ماضی و مستقبل کی خبر دینا بہتوں کو شک میں ڈال دیتا ہے۔ دلالت کرنے والے کا تقدم و تاخر مدلول کے تقدم و تاخر کو ظاہر کرتا ہے۔ سو یہ کوئی شبہ نہیں کیونکہ ماضی و مستقبل دلالت کرنے والوں کی مخصوص صفات ہیں۔ جو اسی گھڑی کے انبساط کے لحاظ سے پیدا ہوئی ہیں۔ جب مرتبہ مدلول میں وہ گھڑی اپنی اصلی

حالت پر ہے۔ اور کسی قسم کا انبساط اِس میں نہیں آیا۔ تو پھر ماضی و مستقبل کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے۔ ارباب معقول نے کہا ہے کہ ایک ہی ماہیت کے لئے بلحاظ وجود خارجی لوازمات علیحدہ ہیں۔ اور بلحاظ وجود ذہنی صفات جدا۔ پس جب کہ ایک ہی شے میں صفات و لوازمات کے فرق بلحاظ وجود و ہویت کے تغایر کے جائز ہے تو واں و مدلول ہیں جو فی الحقیقت ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ بطریق اولیٰ جائز ہے۔ اور یہ جو کہا ہے کہ ازل سے ابد تک ایک ہی گھڑی ہے یہ عبارت کی تنگی کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ ورنہ وہاں تو اس کی بھی گنجائش نہیں۔ وہ بھی زمانے کی طرح یہاں تعقیل ہے۔

واضح رہے۔ کہ جو مکمل مقامات قربِ الٰہی میں دائرہ امکان سے قدم باہر رکھتا ہے وہ ازل و ابد کو ملا ہوا پاتا ہے جناب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے شب معراج مقاماتِ عروج میں حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں پایا۔ اور نوح علیہ السلام کے طوفان کو موجود اہل بہشت کو بہشت میں دیکھا۔ اور اہل دوزخ کو دوزخ میں۔ پانسو سال بعد آدھے دن کے برابر ہے۔ بہشت میں داخل ہونے کے بعد ایک غنی صحابی عبدالرحمٰن بن عوف کو بہشت میں آتے ہوئے دیکھ کر آنحضرت صلعم نے اُس سے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی۔ اُس نے اپنے دشوار گذار راستوں کا ذکر کیا۔ یہ سب کچھ ایک گھڑی کا مشہود ہوا۔ اُس میں ماضی و مستقبل کی گنجائش نہ تھی۔ مجھ پر بھی حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقے ایک وقت یہ حالت طاری ہوئی تھی۔ میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر رہے ہیں اور ابھی انہوں نے سجدہ سے سر نہیں اُٹھایا۔ ملائکہ علیین کو ان سجدہ کرنے والوں سے الگ دیکھا۔ جنہیں سجدے کا حکم نہیں ہوا تھا وہ اپنے مشہود میں مستغرق تھے اور جن حالات کے آخرت میں گذرنے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ بھی اِسی گھڑی میں دکھائی دیئے چونکہ اس واقعہ کو مدت گذر چکی ہے اِس واسطے احوال آخرت کو مفصل بیان نہیں کیا۔ کیونکہ مجھے اپنی قوت حافظہ پر پورا بھروسہ نہیں رہا۔ لیکن اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ حالت آنحضرت صلعم کے وجود و روح دونوں پر طاری ہوئی تھی۔ اور آپ نے بصارت و بصیرت دونوں سے دیکھا۔ دوسرے جو طفیلی ہیں ان پر اگر بطریق تبعیت یہ حالت طاری ہو۔ تو فقط روح پر ہوگی۔ اور صرف بصیرت سے مشاہدہ کریں گے۔ ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھیں گے ۵

در قفا خلقی کہ او سست واتم ترسم ایں قبیلہ رسید ہمہ زہد بانگ جرسم

علیہ و علیٰ آلہ من الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا

منہا۔ تکوین (پیدا کرنا) واجب الوجود کی ایک حقیقی صفت ہے۔ ابوالحسن اشعریؒ کے پیرو تکوین کو ایک اضافی صفت جانتے ہیں۔ جہان کو وجود میں لانے کے لئے قدرت اور ارادہ ہی کو کافی خیال کرتے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ تکوین ایک الگ حقیقی صفت ہے جو قدرت اور ارادت کے علاوہ ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ قدرت در حقیقت فعل و ترک کی صحت ہے اور ارادہ قدرت کے دونوں پہلوؤں یعنی فعل و ترک کی تخصیص ہے پس قدرت کا مرتبہ ارادہ کے مرتبے سے مقدم ہے۔ تکوین کا مرتبہ جسے ہم ایک حقیقی صفت خیال کرتے ہیں۔ قدرت و ارادت کے مرتبہ کے بعد ہے۔ اس کا کام طرف تخصیص شدہ کو وجود میں لانا ہے۔ پس قدرت فعل کی مصحح ہے اور ارادت اس کی تخصیص کرنے والی اور تکوین اس کی موجد۔ پس قدرت اور ارادت کے علاوہ تکوین بھی ضروری ہے۔ اس کی مثال استطاعت مع الفعل کی طرح ہے۔ جسے اہل سنت کے علماء نے بندوں میں ثابت کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ استطاعت قدرت کے ثبوت کے بعد ہے۔ بلکہ ارادت کے تعلق اور ایجاد کی تحقیق کے بعد اسی استطاعت سے وابستہ ہے۔ بلکہ وہ استطاعت ہی موجب فعل ہے۔ اور ترک کا پہلو وہاں مفقود ہے صفت تکوین کی بھی یہی حالت ہے کہ ایجاد اس کے ساتھ بطریق ایجاب ہے۔ لیکن یہ ایجاب واجب تعالیٰ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ وہ قدرت کے حاصل ہونے کے بعد ثابت ہوتا ہے۔ اصل میں قدرت ہی فعل و ترک کی صحت ہے۔ نیز ارادہ کی تخصیص کے بعد تکوین ہے نیز یہ بات حکمائے فلسفی کی رائے کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ پہلا شرطیہ (اگر چاہے تو پیدا کر سکتا ہے) واجب الصدق ہے اور دوسرا شرطیہ (اگر نہ چاہے تو نہیں پیدا کرتا) ممتنع الصدق ہے۔ انہوں نے ارادت کی نفی کی ہے صریحاً ایجاب میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت برتر ہے۔ وہ ایجاب جو ارادت کے تعلق اور دونوں مقدوروں میں سے ایک کی تخصیص کے بعد پیدا ہو۔ اس کے لئے اختیار لازمی امر ہے۔ اس کی تاکید کرنے والا اختیار کا منافی نہیں۔ صاحب فتوحات یعنی شیخ محی الدین بن العربی قدس سرہٗ کا کشف بھی حکماء کی رائے کے موافق واقع ہوا ہے۔ یعنی قدرت میں پہلے شرطیہ کو واجب الصدق اور دوسرے شرطیہ کو ممتنع الصدق جانا ہے اور یہ جاننا ایجاب ہے ایسی صورت میں ارادہ فضول معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہاں فعل یا ترک کی تخصیص کوئی بھی نہیں۔ ہاں اگر تکوین میں اثبات

کو ثابت کریں تو گنجائش ہے۔ کیونکہ وہ ایجاب کی ملاوٹ سے مبرا ہیں۔ یہ سبق بہت ہی باریک ہے اُس کے بیان کی جرأت و سبقت بہت کم اشخاص نے کی ہے۔ گو علمائے ماتریدیہ نے اِس صفت کو ثابت کیا ہے۔ لیکن اس قدر غور و خوض سے کام نہیں لیا سُنت نبوی کی پیروی کے سبب وہ تمام متکلمین میں اس معرفت سے ممتاز ہیں۔ یہ حقیر بھی اُن بزرگوں کا خوشہ چین ہے۔ اے اللہ ہمیں اپنے حبیب کے صدقے اُن کے معتقدات پر ثابت قدم رکھنا +

نہم۔ اللہ تعالےٰ جل شانہ کی رویت آخرت میں مومنوں کو اللہ تعالےٰ کی رویت کا ہونا حق بات ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے۔ جس کو سوائے اہل سنت و جماعت کے کسی اسلامی فرقہ یا حکمائے فلسفہ نے جائز نہیں مانا۔ اُن کے انکار کا باعث حاضر پر غائب کا قیاس ہے اور ایسا قیاس برا ہے دکھائی دینے والی چیز جب بے مثل و بے مانند ہے تو اس کی متعلقہ رویت بھی بے مثل و بے مانند ہو گی اُس پر ایمان لانا چاہیئے۔ اس کی کیفیتوں میں مشغول نہیں ہونا چاہیئے یہ بھی۔ دنیا میں بھی خاص خاص اولیا پر ظاہر کیا گیا ہے اگرچہ اُسے رویت تو نہیں کہہ سکتے۔ لیکن پھر بھی رویت ہی ہے گویا کہ تو اسے دیکھتا ہے انشاء اللہ تعالےٰ قیامت کے دن تمام مومن اُسے ظاہری آنکھوں سے دیکھ لیں گے لیکن انہیں ادراک نہ ہو گا۔ کیونکہ اُسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں صرف دو چیزیں دریافت کریں گے۔ ایک علم یقینی کو دیکھتے ہیں۔ اور دوسرے حظ و لذت جو رویت سے حاصل ہو گا سوائے ان دو چیزوں کے باقی تمام فوائد رویت دیدہ مفقود ہوں گے یہ مسئلہ علم عقاید کا نہایت ہی دقیق مسئلہ ہے عقل اس کے اثبات و تصویر میں عاجز ہے۔ صرف انبیاء کے پیرو علمائے صوفیہ نے اُسے نورِ فراست سے جو انوارِ نبوت سے مقتبس ہے دریافت کیا ہے اسی طرح سے علم کلام کے اور مسائل کا حال ہے۔ جنکے ثابت کرنے میں عقل عاجز و متحیر ہے علمائے اہل سنت کو صرف نور فراست حاصل ہے صوفیا کو نور فراست بھی ہے اور کشف و شہود بھی۔ کشف فراست میں وہی فرق ہے جو بدیہی اور حسی میں ہے فراست نظریات جن کے لئے دلیل کی ضرورت ہے بدیہات بناتی ہے اور کشف نظریات کو حسیات بناتا ہے اور جن مسائل کے اہلسنت قائل ہیں اور ان کے مخالف جن کا دارو مدار صرف عقل پر ہے۔ ان مسائل کے منکر ہیں۔ وہ تمام مسائل اسی قسم کے ہیں۔ جو نور فراست سے معلوم ہوتے ہیں اور کشف صحیح سے دیکھنے میں آتے ہیں مگر ان مسائل

کو واضح طور پر بیان کیا جائے تو اُس سے مقصود تصویر و تنبیہ ہے نہ کہ نظر و دلیل سے اُن کا اثبات کیونکہ عقلی نظر اُن کے اثبات و تصویر میں اندھی ہے مجھے اِن علماء پر تعجب آتا ہے جو ان مسائل کو دلائل سے ثابت کرنا اور مخالفوں کے لئے حجت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ نہ ہی یہ اُن سے ہو سکتا ہے اور نہ ہی وہ اسے سرانجام دے سکتے ہیں اس واسطے مخالف خیال کرتے ہیں کہ ان کے مسائل بھی اُن کے استدلالات کی طرح بودے و اودھورے ہیں۔ مثلاً علمائے اہلسنت نے استطاعت مع الفعل کو ثابت کیا ہے۔ یہ مسئلہ یک سچا مسئلہ ہے جو نور فراست اور کشف صحیح سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جو دلائل اِس کے ثبوت میں بیان کی ہیں وہ سراسر بودی اور نامکمل ہیں۔ اُن کی سب سے زبردست دلیل یہ ہے کہ جوہر کے مقابلہ میں عرض کو دو زمانوں میں عدم بقا ہے۔ کیونکہ اگر عرض باقی ہو تو لازم آتا ہے کہ عرض عرض سے قائم ہو اور یہ محال ہے۔ چونکہ اس دلیل کو مخالفوں نے بودی اور ادھوری خیال کیا ہے اِس واسطے اِن کا یقین ہو گیا ہے کہ یہ مسئلہ بھی ادھورا ہے لیکن مخالفوں کو یہ معلوم نہیں کہ اہل سنت کا رہنما اس مسئلہ اور اسی قسم کے اور مسائل میں نور فراست ہے جو انوار نبوت سے حاصل کیا گیا ہے۔ لیکن یہ ہماری کوتاہی ہے کہ ہم حسی و بدیہی کو مخالفوں کی نظروں میں نظری بناتے ہیں اور تکلف سے اُس کے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں آمدم برسر مطلب۔ ہماری حسی و بدیہی مخالفوں کے لئے حجت۔ اور نہ بھی ہو۔ تو بھی مضائقہ نہیں۔ ہمارا کام صرف اطلاع دینا اور پہنچانا ہے۔ جس میں مسلمانی کی علامات ہیں، وہ خود بخود اختیار قبول کرے گا۔ اور جو بے نصیب ہے، وہ انکار کرے گا۔ علمائے اہل سُنت میں شیخ الاسلام شیخ ابو منصور ماتریدی کے اصحاب کا طریقہ کیا ہی عمدہ ہے۔ جنہوں نے صرف مقاصد پر اکتفا کی ہے اور فلسفی باریکیوں اور نکتہ چینیوں سے بالکل روگردانی کر لی ہے فلسفیوں کی طرح نظر و استدلال کا طریقہ علمائے اہل سُنت و جماعت میں شیخ ابو الحسن اشعری سے شروع ہوا ہے۔ اِس کا یہ مدعا تھا کہ کسی طرح اہل سُنت کے معتقدات کو فلسفی دلائل سے ثابت کرے ایسا کرنا مشکل ہے بلکہ ایک طرح سے مخالفوں کو اکابر دین پر طعن کرنے کی جرأت دلانا اور طریق سلف کو ترک کرنا ہے۔ اللہ تعالٰے ہمیں ان اہل حق کے معتقدات کی متابعت پر ثابت قدم رکھے جنہوں نے انوار نبوت عَلٰی صَاحِبِهَا مِنَ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا سے نور حاصل کیا ہے +

منتہا۔ یعنی آیت کریمہ۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کے مطابق اِس نعمت

عظمےٰ کا اظہار کرتا ہوں۔ کہ مجھے علم کلام کے متعلقہ معتقدات کا یقین اہل یعنی اہل سُنت والجماعت کی رائے کے موافق عطا ہوا ہے اور یقین آگیا ہے کہ اُس کے مقابلے میں یقینی یقین بھی جو سب سے بہتر اور ظاہر تر بدیہیات کی نسبت حاصل ہوا ہے ظن بلکہ وہم معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً جب میں علم عقائد کے مسائل کے متعلق حاصل شدہ یقین کا مقابلہ اس یقین سے کرتا ہوں جو وجود آفتاب کی نسبت مجھے حاصل ہے اصل الذکر کو موخر الذکر کی نسبت یقینی جانتا ہوں ارباب عقل خواہ اس بات کو قبول کریں یا نہ کریں بلکہ بالضرور قبول نہیں کرینگے کیونکہ یہ بات عقل سے پرے ہے ظاہر بین عقل کو اس مقام سے سوائے انکار کے اور کچھ حاصل نہیں اس معاملہ کی حقیقت یہ ہے کہ یقین دل کا کام ہے اور وہ یقین جو دل کو آفتاب کے وجود کی طرح حاصل ہوتا ہے۔ وہ حواس خمسہ کے وسیلے سے ہوتا ہے جو بمنزلہ جاسوس ہیں اور یقین دل کو علم عقائد کے مسائل کے متعلق حاصل ہوتا ہے اس میں ان حواس خمسہ میں سے کسی ایک کا بھی دخل نہیں بلکہ یہ یقین جناب باری سے بطریق الہام بلاواسطہ ہوا ہے۔ پس پہلا یقین بمنزلہ علم الیقین ہے اور دوسرا بمنزلہ عین الیقین سو علم الیقین اور عین الیقین میں بڑا فرق ہے۔ مصرعہ

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

منہا۔ جب محض فضلِ الٰہی سے طالب کا سینہ تمام مرادات سے خالی ہو جاتا ہے اور سوائے حق کے اور کوئی اُسے خواہش نہیں رہتی تو اس وقت وہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے جو اُس کے پیدا کرنے سے تھا اور وہ حقیقی بندگی بجا لا چکتا ہے۔ بعد ازاں اگر چاہتے ہیں تو اُسے ناقصوں کی تربیت کے لئے واپس کرتے ہیں۔ اور اپنے پاس سے اُسے ارادہ عطا فرماتے ہیں اور اختیارات عنایت کرتے ہیں جس کے سبب سے وہ قولی اور فعلی تصرفات میں مجاز مختار ہوتا ہے جیسا کہ اذن دیا ہوا غلام مقام تخلق باخلاق اللہ میں صاحب ارادہ جو کچھ چاہتا ہے دوسروں کے واسطے چاہتا ہے نہ کہ اپنے لئے اور دوسروں کی مصلحتیں اُس کے مد نظر ہوتی ہیں نہ کہ اپنے نفس کی جیسا کہ واجب تعالےٰ کا حال ہے کہ جو کچھ کرتا ہے مخلوق کی خاطر کرتا ہے یہ نہ ضروری ہے اور نہ جائز کہ جو کچھ یہ صاحب ارادہ چاہے۔ ظہور میں آئے کیونکہ ایسا ہونا شرک ہے اور بندگی اس کی برداشت نہیں کر سکتی چنانچہ اللہ تعالےٰ جل شانہٗ نے اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا۔ "اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ" جسے تو چاہے ہدایت نہیں کر سکتا۔ جسے اللہ تعالےٰ چاہے اُسے ہدایت

کرنا ہے جب آنحضرت صلعم کا ارادہ توقف میں پڑے ۔ تو دوسروں کی کیا ہستی ہے ۔ نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ صاحب ارادہ کی تمام مرادیں مرضی حق کے مطابق ہوں ۔ اگر ایسا ہوتا ۔ تو جناب باری سے آنحضرت صلعم پر اعتراض نازل نہ ہوتا ۔ قولہ تعالےٰ ۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ الخ اور معافی کی گنجائش نہ ہوتی ۔ قولہ تعالےٰ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۔ اللہ تعالےٰ نے تجھے معاف کیا ۔ معافی ہمیشہ تقصیرات میں ہوتی ہے ۔ تمام مرادات عین مرضیات حق نہیں مثلاً کفر گناہ ؎

منہا ۔ اس کام میں میرا امام کلام اللہ اور میرا پیر قرآنِ مجید ہے ۔ اگر قرآن شریف کی ہدایت نہ ہوتی ۔ تو حقیقی معبود کی عبادت کی راہ نہ کھلتی ۔ اس راہ میں ہر ایک لطیف والطف انا اللہ پکار کر سالک راہ کو اپنی پرستش میں کر لیتا ہے اگرچوں ہے تو اپنے آپ کو بیچوں ظاہر کرتا ہے ۔ اگر تشبیہ ہے تو تنزیہ کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے یہاں امکان اور وجوب آپس میں خلط ملط ہیں اور حدوث و قدم گڈمڈ ۔ اگر باطل ہے تو حق کی صورت میں ظاہر ہے ۔ اگر گمراہی ہے تو ہدایت کی شکل میں نمودار ہے بیچارہ سالک اندھے مسافر کی طرح ہے ۔ کہ ہر ایک کو "هٰذَا رَبِّيْ" یہی میرا پروردگار ہے ۔ کہتا آتا ہے اللہ تعالےٰ جل شانہٗ اپنے آپ کو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اور مشرق مغرب کا پروردگار بتاتا ہے ۔ جب مجھے عروج کے وقت یہ خیالی معبود پیش کئے گئے تو میں نے سب سے انکار کیا ۔ اور سب زائل ہو گئے ۔ اس واسطے میں نے کہا اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۔ میں غروب و زائل ہونے والوں سے پیار نہیں کرتا ۔ کہتے ہوئے سب سے منہ پھیر اور سوائے ذات واجب الوجود کے اور کسی کو قبلہ توجہ نہ بنایا ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس بات کی ہدایت کی اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ کرتا ۔ تو کبھی سیدھی راہ پر نہ آتے ۔ ہمارے پروردگار کے رسول سب سچے ہیں جو کچھ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں بالکل سچ اور حق ہے ؎

منہا ۔ ہم چار شخص اپنے خواجہ صاحب کی ملازمت میں باقی تمام یاروں سے ممتاز تھے ہم چاروں کا اعتقاد خواجہ صاحب کی نسبت الگ الگ تھا ۔ اور ہمارا معاملہ بھی ایک دوسرے سے نرالا تھا ۔ میرا یہ یقین تھا کہ اس قسم کی صحبت و اجتماع اور اس طرح کی تربیت اور ارشاد جناب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد کبھی میسر نہیں ہوئی اس نعمت کا شکر بجا لایا کرتا تھا ۔ کہ گو سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف تو حاصل نہیں ہوا ۔ لیکن اس صحبت کی سعادت سے محروم

نہیں رہا۔ ہمارے خواجہ صاحب نے باقی تین کے احوال کی نسبت یوں فرمایا۔ کہ فلاں شخص مجھے صاحب تکمیل جانتا ہے لیکن صاحب ارشاد خیال نہیں کرتا۔ اس کے نزدیک ارشاد کا مرتبہ تکمیل کے مرتبے سے زیادہ ہے دوسرے کی نسبت فرمایا کہ اس کا ہم سے کچھ سروکار نہیں تیسرے کی نسبت فرمایا کہ وہ ہمارا منکر ہے ہم میں سے ہر ایک کو اعتقاد کے موافق حصہ ملا۔ واضح رہے کہ مرید کو اپنے پیر سے جو محبت ہوتی ہے۔ اور فائدہ اُٹھانے اور پہنچانے کے لئے سبب کی مناسبت کا نتیجہ پیر کو افضل اور اکمل جاننا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ پیر کو ان لوگوں سے افضل نہ جانے جن کی فضیلت شرع میں مقرر ہے کیونکہ ایسا کرنا افراط میں داخل ہے اور یہ اچھا نہیں شیعہ لوگوں کو خرابی محض اہل بیت کی محبت کی افراط سے ہوئی ہے۔ اور عیسائیوں کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی افراط محبت سے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں اسی واسطے ابدی نقصان میں مبتلا ہیں لیکن اگر ان کے سوا فضیلت دے تو جائز ہے بلکہ طریقت میں واجب ہے یہ فضیلت دینا مرید کے اختیار میں نہیں بلکہ اگر مرید سعادت مند ہے تو خود بخود بے اختیار اس میں یہ اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے وسیلے پیر کے کمالات کو حاصل کرتا ہے۔ اگر یہ فضیلت دینا مرید اپنے اختیار اور تکلف سے پیدا کرے تو جائز نہیں اور نہ اس کا کچھ نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

منہا۔ نفی و اثبات میں اعلےٰ درجہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے کلمہ طیبہ میں یہ ہے کہ جو کچھ دید و دانش اور کشف و شہود میں آئے خواہ وہ محض تنزیہ و بیکیف ہو سب کچھ لا کی تحت میں داخل ہو اور اثبات کی جانب میں سوائے اللہ کہنے کے جو دل کی موافقت سے کہا جائے اور کچھ نصیب نہ ہو۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں　　کا ینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ۔

منہا۔ قرآنی حقیقت اور کعبہ ربانی کی حقیقت دونوں حقیقت محمدی سے اوپر ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآنی حقیقت۔ حقیقت محمدی کی امام اور کعبہ ربانی کی حقیقت حقیقت محمدی کا سجود ہے باوجود اس بات کے کعبہ ربانی کی حقیقت قرآنی حقیقت سے بڑھ کر ہے وہاں سراسر بے صفتی اور بے رنگی ہے اور شیون و اعتبارات کی وہاں

گنجائش نہیں تنزیہ و تقدیس کی وہاں مجال نہیں۔ مصرعہ: تا نجا ہمہ آنست کہ برتر زبیان است۔ یہ ایسی معرفت ہے جس کے بارے میں کسی اہل اللہ نے لب کشائی نہیں کی اور رمز و اشارے کے طور پر بھی اس کے متعلق بات نہیں کی۔ مجھے اس معرفت عظمیٰ سے مشرف کیا ہے اور ابنائے جنس میں ممتاز فرمایا ہے۔ یہ سب کچھ حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقے مجھے نصیب ہوا ہے +

واضح رہے کہ جس طرح چیزوں کی صورتوں کا مسجود کعبہ کی صورت ہے۔ اسی طرح ان اشیا کے حقائق کا مسجود حقیقت کعبہ ہے۔ میں ایسی عجیب بات بیان کرتا ہوں۔ جسے کسی نے کہا نہ سنا۔ مجھے اللہ تعالےٰ نے اس کی خبر دی اس واسطے میں لوگوں کو اس سے آگاہ کرتا ہوں۔ یہ سب کچھ اُس کے فضل و کرم سے ہے کہ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے کچھ اوپر ہزار سال بعد ایسا زمانہ آ رہا ہے۔ کہ حقیقت محمدی اپنے مقام سے عروج فرمائے اور حقیقت کعبہ کے مقام سے مل کر ایک ہو جائے اس وقت حقیقت محمدی کا نام حقیقت احمدی ہو اور وہ ذات احد کا مظہر بنے اور دونوں مبارک نام مسمیٰ کو حاصل ہوں۔ اور پہلا مقام حقیقت محمدی سے خالی ہو جائے جب تک حضرت عیسےٰ علیہ السلام نزول فرمائیں۔ اور شریعت محمدی پر عمل کریں اس وقت حقیقت عیسوی اپنے مقام سے عروج کر کے حقیقت محمدی کے خالی شدہ مقام میں قرار کرے گی +

منہا: اگر کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہ ہوتا۔ تو جناب باری کی راہ کون دکھاتا۔ اور تو کے چہرہ پر سے نقاب کون اُٹھاتا۔ اور جنت کے دروازے کون کھولتا۔ بکثرت صفات بشریت اس لا کے کدال سے اکھیڑی جاتی ہیں۔ اور بے شمار تعلقات اس نفی کے تکرار کی برکت سے دور ہوتے ہیں۔ اس کلمہ کی نفی باطل معبودوں کو مات کرتی ہے اور اس کلمہ کا اثبات معبود حقیقی کو ثابت کرتا ہے۔ سالک اس کی مدد سے امکانی مدارج طے کرتا ہے۔ اور عارف اسکی برکت سے وجوبی معارج پر چڑھتا ہے۔ یہ کلمہ طیبہ ہی ہے جو تجلیات افعال سے تجلیات صفات میں پہنچاتا ہے۔ اور پھر تجلیات صفات سے تجلیات ذات تک لیجاتا ہے +

تا بجاروب لا نروبی راہ ۔۔۔ نرسی در سرائے الا اللہ

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ +

منہا۔ مخدومی شیخ شرف الدین منیری اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ معوذتین کو نماز میں نہیں پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان دونوں سورتوں کی قرآنیت میں جمہور کے مخالف ہیں۔ پس ان دونوں سورتوں کی قرائت کو فرض قطعی میں شمار نہیں کرنا چاہیئے میں بھی نہیں پڑھتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک روز اس فقیر پر ظاہر کیا گیا۔ کہ گویا معوذتین موجود ہیں اور مخدوم شرف الدین کی شکایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے فرض میں ان کی قرائت کو کیوں ترک کیا گویا ہمیں قرآن شریف سے نکالا ہے تب سے میں نے ان کا پڑھنا شروع کیا۔ چنانچہ نماز فریضہ میں پڑھنے لگا۔ جب ان دونوں سورتوں کو نماز فریضہ میں پڑھتا ہوں۔ تو عجیب و غریب احوال کا مشاہدہ کرتا ہوں واقعی جب علم شریعت کی طرف رجوع کیا جائے تو ان دو سورتوں کو نماز فریضہ میں نہ پڑھنے کے لئے کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی بلکہ اس متفق علیہ حکم کی قطعیت میں شبہ ڈالنا ہے کہ جو کچھ دفتین کے اندر ہے وہ قرآن ہے۔ جب سورۃ فاتحہ سے سورۃ کا ملانا واجب ہے۔ پس دونوں سورتوں کا پڑھنا خواہ بالفرض محال خواہ ظنی ہی ہوں کوئی وجہ نہیں کہ انہیں فاتحہ کے ساتھ ملا کر نہ پڑھا جائے مجھے تو شیخ منیری کے اس کلام پر سخت تعجب آتا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْبَشَرِ وَاٰلِہِ الْاَطْھَرِ۔

منہا۔ اسبات کی کوشش کرنی چاہیئے کہ سنت نبوی کے موافق عمل حاصل ہو اور بدعت سے بچاؤ خاصکر ایسی بدعت سے جس سے سنت منسوخ ہوتی ہو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "مَنْ اَحْدَثَ فِیْ دِیْنِنَا فَھُوَ رَدٌّ" "جو نئی بات اس دین میں نکالی جاتی ہے وہ رد ہے ان لوگوں پر مجھے تعجب آتا ہے کہ دین میں حالانکہ وہ مکمل ہو چکا ہے نئی شاخیں نکال لیتے ہیں اور ان سے دین متین کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسبات سے نہیں ڈرتے کہ کہیں ان بدعتوں سے سنت مرتفع نہ ہو جائے مثلاً شملہ دونوں کندھوں کے بیچ رکھنا سنت ہے لیکن بہت سوں نے شملہ کو بائیں طرف لٹکانا اختیار کیا ہے اس عمل سے وہ مردوں سے مشابہت پیدا کرنی چاہتے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے اس معاملہ میں ان کی پیروی کی ہے یہ فعل سنت سے بدعت ہیں اور بدعت سے حرمت تک پہنچا تا ہے کیا جناب سرور کائنات سے مشابہ ہونا اچھا ہے یا مردوں سے جناب سرور کائنات ہی مرنے سے پہلے موت سے مشرف ہوئے ہیں اگر مردے ہی سے تشبیہ درکار ہے۔ تو آنحضرت صلعم سے کرو۔ اور عجب بات یہ ہے کہ مردے کو عمامہ پہنانا ہی بدعت ہے

چہ جائیکہ شملہ چھوڑا جائے بعض متاخرین نے جو عالم کی ہیئت کے لئے عمامہ کو جائز قرار دیا ہے۔ میری رائے میں زیادتی ہے اور زیادتی نسخ اور نسخ عین رفع۔ اللہ تعالیٰ ہمیں متابعت سنت نبوی پر ثابت قدم رکھے اور آمین کہنے والے بندے پر رحم کرے۔

منہا۔ صوفیوں کے طریق بلکہ مذہب اسلام سے حظ وافر اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جس میں تقلید کی فطرت اور متابعت کی جبلت زیادہ ہو۔ یہاں کام کا دارومدار تقلید پر ہے۔ اسی مقام پر کام متابعت سے وابستہ ہے انبیاء علیہم السلام کی تقلید اعلیٰ درجات پر پہنچاتی ہے اور نیک لوگوں کی متابعت اعلیٰ عروج پر پہنچاتی ہے امیر المومنین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں چونکہ یہ فطرت زیادہ تھی اس لئے بلا توقف تصدیق نبوت کی سعادت حاصل کی اور صدیقوں کے سردار بن گئے ابوجہل لعین میں چونکہ تقلید اور متابعت کا مادہ کم تھا۔ اس واسطے اس سعادت سے مشرف نہ ہوا۔ اور ملعون کا پیشوا بن گیا۔ مرید کو کمال حاصل ہوتا ہے۔ اپنے پیر کی تقلید سے حاصل ہوتا ہے۔ پیر کی خطا مرید کے ثواب سے بہتر ہے یہی وجہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے سہو کی طلب کرتے تھے۔ "یَا لَیْتَنِیْ سَھْوُ مُحَمَّدٍ" کاش مجھے محمدؐ کا سہو نصیب ہو۔ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے بلال رضؓ کے حق میں فرمایا ہے "سِیْنُ بِلَالٍ عِنْدَ اللّٰہِ شِیْنٌ" بلال عجمی تھے اس لئے اذان میں بجائے اشھد کے اسھد کہا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا اسھد اشھد ہے۔ پس بلالؓ کی خطا دوسروں کی درستی سے بہتر ہے مصرعہ براشہد تو خندہ زند بلالؓ۔ میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے جو فرماتے تھے کہ بعض دعائیں جو مشائخؒ سے منقول ہیں۔ اور جن میں مشائخ سے اتفاقاً غلطی ہو گئی ہے۔ اور تلفظ بگڑ گیا ہے اگر ان کے تابعین اور پیرو اپنے مشائخ کی طرح پڑھیں تو تاثیر ہوتی ہے۔ اگر درست کر کے پڑھیں تو تاثیر نہیں ہوتی۔ یا اللہ! ہمیں انبیا کی تقلید اور اولیا کی متابعت پر بحرمت حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم ثابت قدم رکھنا۔

منہا۔ ایک روز جنوں کا حال مجھ پر منکشف فرمایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جن گلی کوچوں میں عام آدمیوں کی طرح چلتے پھرتے ہیں اور ہر ایک جن کے سر پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہے کہ وہ جن اس موکل کے ڈر کے مارے سر نہیں اٹھا سکتا اور دائیں بائیں نہیں دیکھ سکتا۔ قیدیوں اور گرفتاروں کی طرح ہو رہے ہیں۔ جن میں مخالفت کی مجال بالکل

نہیں۔ ہاں جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو اُس سے کچھ ظہور میں آتا ہے۔ اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا موکل کے ہاتھ میں لوہے کا گرز ہے۔ کہ اگر جن خدا بھی مخالفت کرے تو ایک ہی چوٹ سے اس کا کام تمام کر دے۔

خدائے کہ بالا و پست آفرید　　زبر دست ہر دست دست آفرید

منہا۔ عوام الناس تو درکنار۔ تمام مرسلوں کے جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم سردار ہیں اگرچہ حضرت عیسٰے اور حضرت موسٰے علیہما السلام کو حسب اور حبہ مقام تجلی ذات سے کچھ حاصل ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسٰے علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔ "اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي اَيْ لِذَاتِي" اور حضرت عیسٰے علیہ السلام روح ہیں اور آپ کا کلمہ بھی آنحضرت کے کلمہ سے بہت کچھ مناسبت رکھتا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام حالانکہ مقام تجلئے صفات میں ہیں۔ پھر بھی تیز چشم اور دوربین ہیں جو خاص شان ہمارے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو تجلئے ذات کے مقام میں نصیب ہوئی۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تجلئے صفات کے مقام میں حاصل ہو گئی۔ لیکن استعداد دونوں کی مختلف ہے۔ پس اس لحاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں سے افضل ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسٰے علیہ السلام سے افضل ہیں۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام کا رتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر ہے آپ ان کی نسبت تیز نظر اور دوربین ہیں۔ ان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام ہیں آپ کا مقام مقام صفات میں اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام سے اوپر ہے لیکن حضرت ابراہیمؑ کو اس مقام میں خاص شان حاصل ہے اور آپ کو نظر کی وہ تیزی حاصل ہے جو دوسروں کو میسر نہیں لیکن آپ کی اولاد کرام کو بھی بطور تبعیت و فرعیت اس مقام سے حصہ حاصل ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے ان باتوں کے الہام سے سرفراز فرمایا۔ علم اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔

منہا جس سالک کی سیر اسماء صفات کی تفصیل میں ہو۔ اس کا ذات حق تک پہنچنا بند ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسماء و صفات کی کوئی انتہا نہیں۔ نہ یہ ختم ہوتے ہیں۔ نہ وہ منزل مقصود پر پہنچتا ہے۔ مشائخ نے اس مقام کی خبر دی ہے۔ کہ مراتب وصول کی کوئی انتہا نہیں۔ اس واسطے کہ مجذوب۔ کے کمالات کی کوئی انتہا نہیں۔ یہاں وصول

سے مراد اسمائی و صفاتی وصول ہے۔ سعادت مند وہ شخص ہے جس کی سیر اسماء و صفات میں بطریقِ اجمال واقع ہوئی ہے اور جلدی خدا رسیدہ ہو گیا۔ واصلانِ ذات جب نہایت النہایت پر پہنچتے ہیں تو دعوت کے لئے ان کا واپس آنا لازم ہے اور وہاں سے واپس نہ آنا محال ہے برخلاف اس کے متوسط جب اپنی استعداد کے موافق آخری مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو ان کے لئے واپس آنا لازم نہیں ہو سکتا ہے کہ واپس آئیں یا وہیں ٹھہرے رہیں پس منتہی کے وصول کے مراتب ختم ہو جاتے ہیں۔ بلکہ لازم ہے کہ پورے ہو جائیں۔ لیکن متوسطوں کے وصول کے مراتب کی جو اسمائی و صفاتی تفصیل میں سیر کرتے ہیں۔ کوئی انتہا نہیں۔ یہ علم بھی میرا مخصوص علم ہے۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ۔

منہا۔ مقام رضا تمام مقامات ولایت سے بڑھ کر ہے۔ یہ مقام تمام سلوک و جذبہ طے کر لینے کے بعد حاصل ہوتا ہے اگر یہ پوچھیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی صفات اور اس کے افعال سے رضا واجب ہے۔ اور نفسِ رضا میں ماخوذ جس سے عام مومنوں کو چارہ نہیں۔ تو پھر سلوک و جذبہ کے اتمام پر اس کے حصول کے کیا معنی؟ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جس طرح ہر رکن ایمان کی صورت و حقیقت ہے اسی طرح رضا کی بھی صورت شروع میں صورت کا وجود ہوتا ہے اور آخر میں حقیقت حاصل ہوتی ہے۔ جب منافیٔ رضا ظاہر نہ ہو تو ظاہر شریعت حصولِ رضا کا حکم فرماتی ہے لیکن تصدیقِ قلبی کے طور پر کہ جب کوئی بات منافیٔ تصدیق نہ پائی جائے۔ تو تصدیق حاصل ہو جاتی ہے۔ اور ہم رضا کی صورت و حقیقت کے درپے ہیں۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ

منہا۔ ولی کو جو کمال حاصل ہوتا ہے۔ یا جس درجے پر پہنچتا ہے اپنے نبی کے طفیل پہنچتا ہے۔ اگر متابعت نبوی نہ ہوتی۔ تو نفسِ ایمان ظاہر نہ ہوتا اور اعلیٰ درجات کی راہ نہ کھلتی پس اگر ولی کو کوئی جزوی فضل حاصل ہو۔ جو نبی کو حاصل نہیں تھا۔ اور کوئی ایسا خاص درجہ مل جائے جو نبی کو میسر نہیں تھا۔ تو نبی کو بھی اس جزوی فضل اور اس خاص درجہ سے حصہ ملتا ہے کیونکہ ولی کو وہ کمال اس نبی کی متابعت سے حاصل ہوا ہے۔ اور یہ اس کی سنت کی پیروی کا ایک نتیجہ ہے۔ پس لامحالہ نبی کو اس کمال سے پورا حصہ حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُہَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِہَا" جس نے کوئی نیک طریقہ جاری کیا۔ اسے اس طریقے پر عمل کرنے والے کا بھی اجر ملتا ہے۔ لیکن ولی اس کمال کے حصول میں سابق ہے۔ اور اس درجے کے وصول میں مقدم۔ اس کی فضیلت ولی

کو نبی پر جائز ہے۔ جو جزئی ہو۔ جو کلیتہ معارض نہ ہو۔ صاحب فصوص (شیخ محی الدین بن العربی قدس سرہٗ) نے جو فرمایا ہے۔ کہ خاتم انبیا علوم و معارف کو خاتم الولایت سے اخذ کرتا ہے۔ اس سے مراد یہی معرفت ہے۔ جس سے مجھے ممتاز فرمایا گیا ہے۔ اور جو ظاہر شریعت کے موافق ہے فصوص کے شارحین نے اس کی توضیح میں تکلف سے کام لیا ہے۔ اور کہا ہے کہ خاتم ولایت خاتم نبوت کا خزانچی ہوتا ہے اگر بادشاہ اپنے خزانچی سے کچھ لے تو نقص لازم نہیں آتا۔ اصل حقیقت وہی ہے۔ جو میں نے تحقیق کی ہے انھوں نے یہ تکلف اس واسطے کیا ہے کہ معاملہ کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکے اللہ تعالیٰ امور کی اصل حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے۔ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْبَشَرِ وَاٰلِہِ الْاَطْہَرِ۔

منہا۔ ولی کی ولایت اس کے نبی کی ولایت کا جز ہوتی ہے۔ ولی کو خواہ کتنے ہی اعلیٰ درجات حاصل ہو جائیں۔ پھر بھی وہ درجات اس نبی کے درجات کا جزو ہوتے ہیں۔ جزو خواہ کتنا ہی بڑا ہو جائے پھر بھی کل سے کم ہی رہے گا کیونکہ کل ہمیشہ اپنے جزو سے بڑا ہوتا ہے یہ ایک بدیہی قضیہ ہے۔ وہ شخص احمق ہے جو یہ خیال کرتا ہے۔ کہ جزو کل سے بڑا ہوتا ہے۔ اور یہ کہ کل ایک جزو ہے۔

منہا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات واجبی تین قسم کی ہیں۔ پہلی قسم کی صفات اضافی ہیں۔ مثلاً خالقیت اور رزاقیت۔ دوسری حقیقی لیکن اضافت کی جھلک لئے ہوئے مثلاً علم قدرت ارادہ سمع۔ بصر اور کلام۔ تیسرے محض حقیقی مثلاً زندگی اس میں اضافی ہرگز ملاوٹ نہیں اضافت سے ہماری مراد جہان کا لگاؤ ہے۔ تیسری قسم تمام اقسام سے افضل ہے۔ اور اس میں تمام اقسام جمع ہیں۔ یہ امہات صفات سے ہے۔ علم کی صفت باوجود جامعیت کے صفت حیات کی تابع ہے۔ صفات و شیونات کا دائرہ حیات پر جا ختم ہوتا ہے۔ وصولِ مطلوب کا دروازہ یہی ہے۔ چونکہ صفت حیات صفت علم سے بڑھ کر ہے اس واسطے ضروری ہے۔ کہ مراتب علم طے کرنے کے بعد اس تک پہنچیں۔ علم۔ یا ظاہری ہوتا ہے۔ یا باطنی۔ یا شریعت کا ہوتا ہے یا طریقت کا۔ بہت ہی کم اشخاص اس دروازے میں داخل ہوئے ہیں۔ صرف کوچوں پیچھے سے اندر دیکھتا ہے۔ ایسے دیکھنے والے بھی نہایت ہی کم ہیں۔ اگر اس بھید کی رمز ظاہر کر دوں تو گلا کٹ جائے ؎

وَمِنْ بَعْدِ هٰذَا مَا يَدِقُّ صِفَاتُهٗ وَمَا كَتْمُهٗ اَحْظٰى لَدَيْهِ وَاَجْمَلُ۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

منہا۔ حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ مثل سے منزہ ہے۔ کوئی چیز اس کی مانند نہیں۔ لیکن مثال کو جائز قرار دیا ہے۔ اور مثل تجویز کی ہے اللہ تعالیٰ کے لئے مثل اعلیٰ ہے ارباب سلوک اور اصحاب کشوف کو مثال سے تسلی دیتے ہیں۔ اور خیال سے آرام بخشتے ہیں بے چون کو چون کی مثال سے دکھاتے ہیں۔ اور وجوب کو امکان کی صورت میں جلوہ گر کرتے ہیں بے چارہ سالک مثال کو عین صاحب مثال خیال کرتا ہے اور صورت کو عین ذی صورت یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے احاطہ کی صورت کو چیزوں میں دیکھتا ہے۔ اور اس احاطہ کی مثال کو جہان میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے کہ احاطہ کی حقیقت دکھائی دے رہی ہے لیکن درحاصل ایسا نہیں۔ بلکہ حق تعالیٰ کا احاطہ بیچون و بیچگون ہے۔ اور نہ وہ شہود میں آسکتا ہے اور نہ کسی پر ظاہر ہو سکتا ہے۔ اس بات پر ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر محیط ہے لیکن یہ ہم نہیں جانتے کہ اس کا احاطہ کیا ہے اور جو کچھ ہمیں معلوم ہے وہ اس احاطہ کی شبیہ اور مثال ہے نہ کہ حقیقت۔ بلکہ اس کی حقیقت کی کیفیت نامعلوم ہے یہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے۔ لیکن یہ ہم نہیں جانتے کہ اس کا قرب و معیت کس طرح کے ہیں ممکن ہے کہ جو حدیث نبوی میں آیا ہے۔ "تَجَلّٰی رَبُّنَا ضَاحِکًا" ہمارا پروردگار ہنستا ہوا ظاہر ہوا۔ یہ آنحضرتؐ نے بلحاظ صورت مثالی فرمایا ہو۔ کیونکہ شاید کمال رضا کے حصول کو مثال میں بصورت خندہ دکھایا ہے۔ اور ہاتھ چہرے قدم۔ اور انگلیوں کا اطلاق بھی صورت مثالی کے لحاظ سے ہو۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اسی طرح سکھایا۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ ۔

منہا۔ اگر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی عبارات میں جو آنحضرت نے احوال و مواجید اور علوم و معارف کے بیان میں لکھی ہیں۔ کسی قسم کا تناقض یا تدافع معلوم ہو۔ تو یہ گمان نہیں کرنا چاہیئے۔ واقع ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔ بلکہ یہ خیال کرنا چاہیئے کہ مختلف اوقات میں مختلف وضع پر یہ عبارات لکھی گئی ہیں۔ کیونکہ ہر وقت احوال و مواجید مختلف ہوا کرتے ہیں۔ اور ہر ایک وضع میں علوم و معارف جدا ہیں۔ پس درحقیقت یہ تناقض اور تدافع نہیں اس مثال کی احکام شرعیہ کی طرح ہے

کہ نسخ و تبدیل کے بعد متناقض احکام جاری ہوتے ہیں جب اوقات و اوضاع کے اختلاف کو ملحوظ رکھا جائے۔ تو وہ تناقض و تدافع اُٹھ جاتا ہے اللہ تعالٰی ہی کے لئے حکمت ہے۔ اِس میں حکمت و مصلحت ہے۔ کسی قسم کا شک نہ کرنا۔ وَ صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ سَلَّمَ وَ بَارِکْ +

تمام شد

عربی سے اُردو ترجمہ کتاب الشفاء فی حقوق المصطفیٰ

یہ ایک بہت بڑی مشہور کتاب عربی زبان میں حضرت غیاث رحمۃ اللہ علیہ نے جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کے محاسن و مناقب میں تصنیف فرمائی ہوئی ہے۔ اِس کتاب کی خوبی اور مقبولیت عام احاطہ تحریر میں نہیں آ سکتی کیونکہ ذات باری جس محبوب کی صفت و ثنا قرآن کریم میں اپنی زبان مبارک سے فرمائے اور جملہ فرشتگان کو اس پیارے نام پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے لئے حکم دے تو دوسرا کون بشر یا جن و ملک ہے کہ وہ اِس ثنا کو پورے طور پر ادا کر سکے حضرت قاضی غیاث الرحمۃ علیہ نے اِس مبارک کتاب کو جس خوبی اور حسن اعتقاد و دل بستگی سے لکھ کر اپنے ایمان اور محبت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت دیا ہے یہ انہی مبارک ہستی کا کام تھا۔ چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ اس کتاب شفا سے کوئی کتاب جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں نہ تو اب تک کسی نے لکھی اور نہ اب آئندہ کوئی لکھے گا۔ یہاں تک حضرت نے تحریر فرمایا ہے۔ کہ جس گھر میں یہ مبارک کتاب شفاء موجود ہوگی وہاں بہ تصدق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کبھی کوئی بیماری نہ ہوگی اس کتاب میں مصنف علیہ الرحمۃ نے وہ وہ باریک مسائل تحریر فرمائے ہیں۔ جو آج تک بعض علماء کرام کی زبان مبارک سے کم سننے میں آئے ہیں۔ اس مبارک کتاب کے مطالعہ سے ہر ایک سچے مسلمان کا ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اور وہ برکات الٰہی سے بہرہ یاب ہو کر جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے فیضیاب ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ اس کتاب فیض انتساب کے کیا کیا اوصاف بیان کئے جائیں۔ لہٰذا بپاس خاطر عام مسلمانوں کے عام فہم ہی میں عربی سے اس کا با محاورہ اردو ترجمہ کرا کر شائع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب [illegible] صفحہ پر نہایت عمدہ کاغذ اور اعلےٰ چھپائی بے نظیر لکھائی سے طبع کرائی گئی ہے۔ اس کی قیمت صرف۔ مجلد سنہری کاغذ عمدہ ولایتی ... ... ۳۶/۰۰ روپے

عربی سے اردو ترجمہ کتاب

کتاب الشفا یعنی

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یہ ایک بہت بڑی اور مشہور کتاب عربی زبان میں حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن و مناقب میں تصنیف فرمائی ہے۔ اس کتاب کی خوبی اور مقبولیت احاطہ تحریر میں نہیں آسکتی۔ کیونکہ ذات باری جس محبوب کی صفت و ثناء قرآن مجید میں فرمائے۔ اور جملہ فرشتگان کو اس کے پیارے نام پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے لئے حکم دے تو دوسرا کون بشر ہے کہ وہ اس کی صفت و ثناء کو پورا کر سکے۔

ع
محمدؐ سے صفت پوچھو خدا کی ۔۔۔ خدا سے پوچھئے شانِ محمدؐ

تاہم حضرت قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے اس مبارک کتاب کو جس خوبی اور حسنِ عقیدت و دلبستگی سے لکھ کر اپنے ایمان اور محبت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت دیا ہے۔ یہ اسی مبارک ہستی کا کام تھا۔
چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ اس کتاب کتاب الشفا سے کوئی کتاب جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نہ تو اب تک کسی نے لکھی ہے اور نہ اب آئندہ لکھے گا۔ یہاں تک کہ حضرت کے تحریر فرمایا ہے کہ جس گھر میں یہ مبارک کتاب ہو گی۔ وہاں تصدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کوئی بیماری نہ ہو گی۔ اس کتاب میں مصنف علیہ الرحمۃ نے وہ وہ باریک مسائل تحریر فرمائے ہیں جو آج تک بعض علما کرام کی زبان مبارک سے کم سننے میں آئے ہیں۔ اس مبارک کتاب کے مطالعہ سے ہر ایک سچے مسلمان کا ایمان تازہ ہوتا ہے اور وہ برکاتِ الٰہی سے بہرہ یاب ہو کر جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے فیضیاب ہوتا ہے۔ لہٰذا بپاس خاطر عام مسلمانوں کے حال ہی میں عربی سے اردو ترجمہ کرا کر شائع کیا۔ ضخامت کتاب صفحات ۲۵۲ قیمت ۳۶/-

ملنے کا پتہ | اللہ والے کی قومی دکان (رجسٹرڈ) مالک ملک چنن الدین تاجر کتب قومی بازار کشمیری لاہور

ہو گا

تاریخ خرید: مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۸۱ء بمطابق ۱۸ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ